# حضرت ابوذر غفاریؓ

از مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ

# حضرت ابوذر غفاری رضؓ

## رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کے
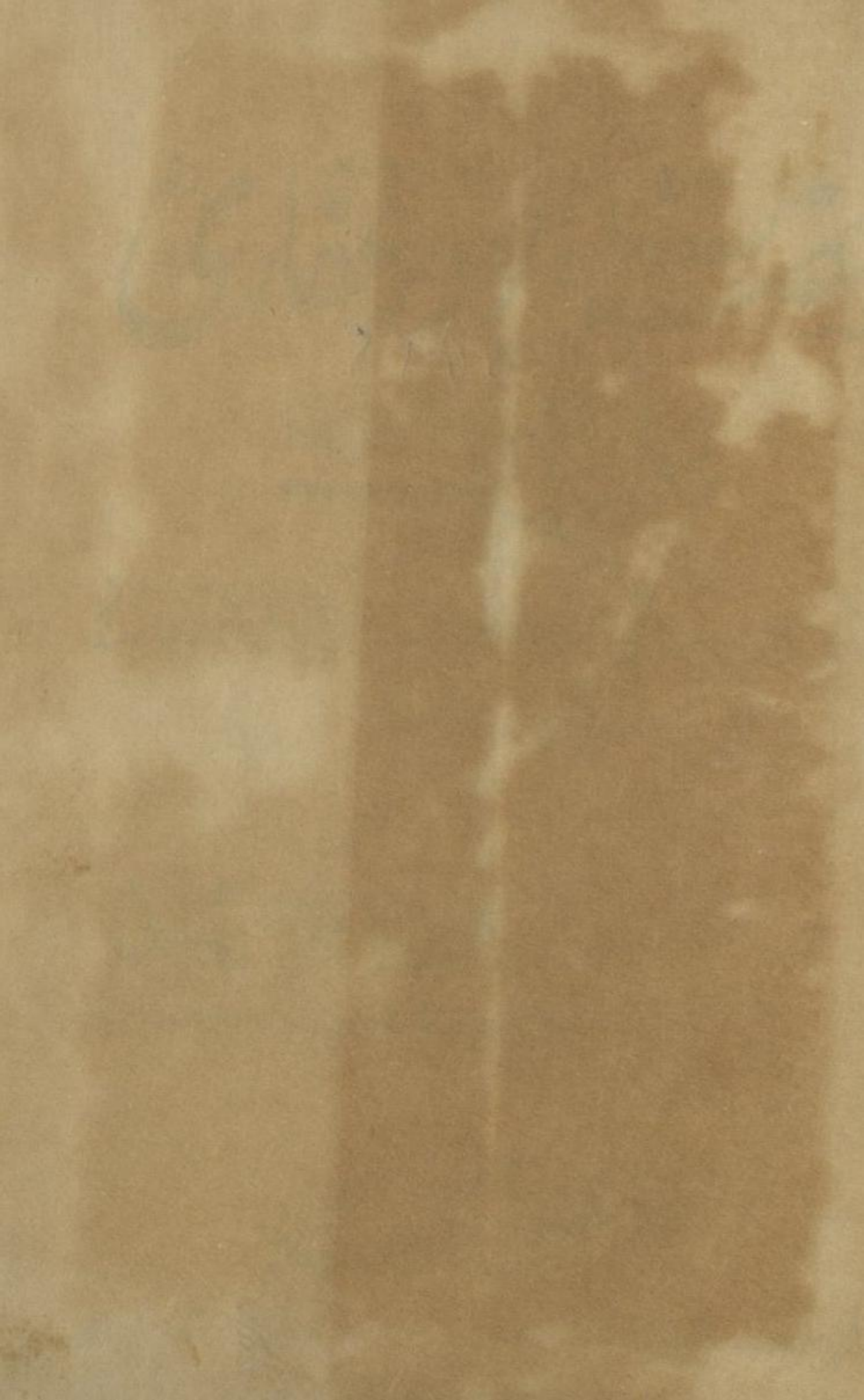
عاشقِ زار اور معاشی مساوات کے علمبردار صحابی کی محققانہ سوانح

اور پُر کیف حالات

از


علامہ سید مناظر احسن گیلانی

سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ



نفیس اکیڈمی

بِلاسِس اسٹریٹ ——— کراچی (پاکستان)

قیمت چار روپیہ پچیس پیسے

حضرت ابوذر غفاریؓ

معنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی کے جملہ حقوق طباعت و
اشاعت دائمی سید عبدالرزاق مالک ادارۂ اشاعت اُردو
و مکتبہ رزاقی کراچی سے چوہدری محمد اقبال سلیم
گاہندری۔ مالک نفیس اکیڈیمی۔ و مسعود پبلشنگ ہاؤس
بلاسس اسٹریٹ کراچی نے باقاعدہ قانونی طور پر حاصل
کرکے شایع کیا۔

چوتھا اڈیشن اپریل سنہ ۱۹۶۲ء

مطبوعہ۔ انجمن پریس لارنس روڈ کراچی

# عاشقِ رسُول صلعم

(چوھدری محمد اقبال سلیم گاھندری)

ہر مصنف کو اس کی تصنیفات کی تاریخ کے لحاظ سے تدریجا بڑھتا اور چڑھتا ہوا دیکھا جا سکتا ہے مگر یہ قدرت کا کرشمہ ہے کہ بعض ہستیاں اول قدم ہی میں اس قدر پختہ کار ہوتی ہیں کہ اسکے قلم اوّل اور آخری قدم میں کوئی فرق دیکھا نہیں جا سکتا۔ حضرت مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ان ہی مخصوص ہستیوں میں سے ایک ہیں۔

حضرت ممدوح نے اپنے طالب علمی کے دور میں قلم اٹھانا چاہا تو مزاج کی مناسبت کیوجہ سو سب سے پہلے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے سوانح کی ترتیب کا خیال مولانا کے دل میں موج زن ہوا چنانچہ یہ خیال ارادہ میں اور ارادہ تصنیف کی صورت میں رونما ہوا اور "ابوذر غفاریؓ" کے زیرِ عنوان مولانا کی یہ پہلی تصنیف منصۂ شہود پر آئی۔ مگر اہلِ نظر نے جب اس کو دیکھا تو اس میں پختگی اور عقل و ہوش کے ساتھ جذبِ روحانی کے پورے کمالات مشاہد کئے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس کا مطالعہ فرمایا تو چونکہ مصنف سے بالکل واقف نہ تھے۔ ارشاد فرمایا کہ "اس کتاب کا مصنف یا تو عارف ہے یا اگر نہیں ہے تو وہ آئندہ عارف بن جائے گا"

حکیم الامت کی نگاہ میں یہ اعتبار آغاز ہی میں شان دار مستقبل کی سب سے بڑی نوید تھی، چنانچہ یہ حقیقت عالم آشکار ہو کر رہی اور ملّتِ اسلامیہ مولانا کے علم و عرفان کی قائل ہو گئی۔

"ابو ذر غفاریؓ" کے کئی ایڈیشن . . . . . . . . چھپ کر ہاتھوں ہاتھ نکل چکے ہیں اب پھر اس کے نئے ایڈیشن کی نوبت آگئی ہے۔ معاشی اونچ نیچ کے جس دور سے ملتِ اسلامیہ گذر رہی ہے اس میں حضرت غفاری رضی اللہ عنہ کی سوانح کا بار بار اور غائر مطالعہ عجب نہیں کہ اہلِ ملّت میں اعتدال اور خصوصاً اہلِ ثروت افراد میں ایثار کے جذبہ کا محرک بن جائے۔ اگر یہ ہو گیا تو حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کو سرور و تسکین کامل حاصل ہوگا اور اس سلسلہ میں ہماری اکیڈیمی نے تعاون کی جو سعادت پائی ہے وہ انشاء اللہ اس کی سعادت اندوزی کا بڑا ذخیرہ ثابت ہو گی۔ فقط

# دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اما بعد:۔ واقعات و سوانح جو کچھ بھی اس عنوان کے تحت درج کئے جائیں گے۔ ان کا زیادہ تر حصہ اصابہ اسد الغابہ استیعاب اور ابن سعد وغیرہ سے ماخوذ و مستنبط ہوگا۔ کہیں کہیں بعض باتیں صحاح اور دیگر کتب حدیثیہ سے بھی لی گئی ہیں۔ مجھے چونکہ اس مضمون میں علاوہ تاریخی بیانات کے اخلاقی نتائج کا درس دینا بھی منظور ہے۔ اس لئے بعض بعض مقاموں میں چند ایسی باتوں کا اضافہ کروں گا۔ ممکن ہے کہ عام دماغوں کو کتب محولہ میں نہ ملیں۔ کیونکہ اس میں نہایت دقیق اور غامض قیاس اور اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ اسی لئے ابنائے عصر و اقران کرام سے مجھے امید ہے کہ قبل کسی تجسس و امعان کے وہ الزام اعتراض کی طرف عجلت نہ فرمائیں ؎

ع کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند

تاہم میں نے اپنے خاص خاص نتائج کو لکھتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے جو نقلی اور قیاسی بیان میں تمیز بخش سکتے ہیں۔
وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ ۔

# جدید دیباچہ

## تصنیف سے تیس۳۰ سال کے بعد!

(الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصلحات)

صالحات اور بننے والی باتوں کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے کہ جہاں جلال ہے، اسی کا جلال ہے، اور جہاں عزت ہے اسی کی عزت ہے۔ اس کی اعجوبہ طرازیوں کا کیا ٹھکانہ ہے۔ بڑے اور چھوٹے کاموں پر نہ جائیے کہ جو چھوٹا ہے وہ چھوٹا ہی ہے، پر جو بڑا ہے، ہمارے اور آپ کے لحاظ سے وہ بڑا ہی ہے، لیکن جو سب سے بڑا ہے، اللہ اکبر اس کے سامنے بڑائی کس کے لئے ہے۔

اللہ اللہ میں ان دلوں بیتے ہوئے دلوں کو کتنی حیرت کے ساتھ سوچتا ہوں، خیال آتا ہے، کہ اس وقت جب کہ ہجری سن کے حساب سے ۱۳۶۴ھ ہجری کا سال ہے، اس سال کا یہی ربیع الاول الانوار الاقدس کا پاک اور برگزیدہ مہینہ تھا، لیکن سن آج سے ٹھیک تیس سال پہلے ۱۳۳۴ھ ہجری کا تھا، دارالعلوم دیوبند کے مجلہ شہریہ "القاسم" کی ربیع الاول ہی کی اشاعت تھی کہ "حضرت ابوذر غفاری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کے عنوان سے یہی مضمون جو آپ کے سامنے کتاب' کی شکل میں پیش ہو رہا ہے شائع ہونا شروع ہوا تھا، لکھنے والے کے شان و گمان میں بھی نہ تھا کہ جس مضمون کو ایک مجلاتی مقالہ کی حیثیت سے وہ لکھ رہا ہے، وہ کسی زمانے میں کتاب کا قالب اختیار کرے گا، اور سچ تو یہ ہے کہ معلومات و مواد کے جس محدود ذخیرے کو سامنے رکھ کر مضمون شروع کیا گیا تھا، اس کے لحاظ سے اس وقت یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی۔

لیکن ربیع الاول، ربیع الثانی' الغرض ہر آنے والے مہینے میں القاسم کے شماروں پر شمارے نکلتے چلے جاتے تھے، اور بالالتزام اس مضمون کا سلسلہ سب میں جاری تھا، سمجھا جاتا تھا کہ اب ختم ہو جائے گا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر منزل پر پہنچنے کے بعد یہی دیکھا جاتا تھا کہ جتنا لکھا جا چکا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے جو ابھی نہیں لکھا گیا ہے۔ الغرض دینے والا دیتا جا رہا تھا اور لینے والا لے رہا تھا، خود لے رہا تھا اور دوسروں کو دے رہا تھا۔ اس عرصہ میں بعض حوادث بھی پیش آئے، کچھ دن سلسلہ ٹوٹ بھی گیا۔ بہرحال وہی مضمون جو ۱۳۳۲ھ ہجری کے ربیع الاول کی اشاعت سے القاسم میں چھپنا شروع ہوا تھا، بالآخر ۱۳۳۶ھ ہجری کی ماہ ربیع الثانی میں گویا کامل چار سال ایک ماہ میں جا کر ختم ہوا۔

اور یہ ماجرا تو اس کتاب کے مضامین کی کمیت کا ہے، رہی کیفیت تو ظاہر ہے کہ مضمون نگار کی مضمون نگاری کی ابتدائی مشق کا وہ زمانہ نہ تھا۔

واقعی طالب علمی تو اس کی اب بھی جاری ہے، اور لحد کو مہد بنانے سے پہلے انشاء اللہ تعالیٰ وہ جاری ہی رہے گی، لیکن اصطلاحی طالب العلموں کے جرگے سے تقریباً ان ہی دنوں میں وہ علیحدہ ہوا تھا، زندگی کے جس سفر کی آخری منزل اب سامنے ہے، اس وقت تک کل تنتیس سال[1] اس پر گزرے تھے ایسی حالت میں کیفیت کے متعلق کسی اہمیت کی بھلا توقع ہی کیا ہو سکتی تھی۔

لیکن اب میں کن الفاظ میں ان تعجب آمیز انبساطی احساسات کا اظہار کروں۔ جب اچانک امام الملۃ، حکیم الامت، سیدی الامام مولینا اشرف علی التھانوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ایک گرامی نامہ سے اسی مضمون کے متعلق پہلی دفعہ چونکایا گیا، حضرت والا سے شفاہی لقاء کی سعادت اس

---

[1] کیونکہ "مناظر احسن" خاکسار کا تاریخی نام ہے (۱۳۱۰) جس کے اعداد ہیں۔ اب اتفاقات کے ان محاسن کو کیا کہئے۔ آج بھی ربیع الاول ہی کا مہینہ ہے، جس سال اس مضمون کی ابتدا ہوئی وہ بھی ربیع الاول ہی کا ماہ مبارک تھا اور غلام کو جس آقا کی اُمتِ مرحومہ میں شریک کر کے پیدا کیا گیا۔ اس وقت بھی وہی ربیع الاول کی ۹ر تاریخ تھی، جو آقا کی تشریف آوری کا مبارک و مسعود مہینہ تھا۔ ع بُلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است
اضطراری سعادتوں کو بھی بزرگوں نے سعادت کی ایک قسم قرار دی ہے فاللھم لاتحرمنی عن ثمراتھا ۱۲

وقت تک نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اور بھی تعجب ہوا گو چند سطروں ہی کا وہ عنایت نامہ تھا۔ لیکن حضرت والا نے اس خط کو بھی ایک مستقل نام عطا فرمایا تھا اور جسے عزت بخشی گئی تھی، وہ بھی ایک خاص خطاب سے نوازا گیا تھا۔ اسی زمانہ میں القاسم کی کسی اشاعت میں اس "مکتوب گرامی" کو شائع بھی کردیا گیا تھا، اور اس وقت بھی موقع تھا کہ میں اس نامہ فیض شمامہ کو یہاں بجنسہٖ درج کرتا۔ لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش کے القاسم کے پرانے فائل میں وہ شمارہ نہ ملا۔ کاش! میری اس آرزو کی تکمیل کوئی صاحب آئندہ زمانہ میں فرمادیں۔

بہرحال جو کچھ یاد رہ گیا ہے اب اسی پر قناعت کرتا ہوں خط کا نام سمجھئے یا عنوان، یہ تھا۔

خطاب من ہذا الفقیر الناظر　　　الی کتاب السید مناظر

جس لقب سے سرفرازی بخشی گئی تھی، وہ یہ تھا یعنی خطاب کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا گیا تھا۔

"الی سید الکاتبین احسن اللہ مناظرہ"

مضمون کے جس حصہ کو پڑھکر اس خاص عنایت کی طرف حضرت والا کی جو توجہ ہوئی تھی اس کے بعد اس کا ذکر تھا۔ ارقام فرمایا گیا تھا کہ

"اس مضمون کا لکھنے والا اگر محقق ہوچکا ہے تو یہ مضمون اس کی محققیت کی دلیل ہے، ورنہ محققیت متوقعہ کی دلیل ضرور ہے۔"

اصل مکتوب چونکہ سامنے نہیں ہے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ الفاظ میں تقدم و تاخر کا اختلاف پیدا ہو گیا ہو لیکن الفاظ انشاء اللہ یہی تھے، مجھے یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ "مجازیب وبہالیل" جو مسلمانوں کے فقرا۔ کی ایک عام قسم ہے، اس باب میں فقیر نے جن خیالات کا اظہار اور جن مستند مآخذ کو اس سلسلہ میں پیش کیا تھا، اس پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ شاباشی عطا فرمائی گئی تھی، بلکہ خیال آتا ہے، کہ بطور وصیت کے یہ بھی ارقام فرمایا گیا تھا کہ آئندہ ان کی مشہور کتاب "التکشف" کو جو صاحب شائع کریں۔ اس میں مضمون کے اس حصہ کا بھی اضافہ کر دیں، واللہ اعلم اس وصیت کی تعمیل کی گئی یا نہیں۔ اور یہ پہلی بشارت تھی جو اپنے عہد کے ایک مجدّد کے ذریعہ سے اس مضمون کی کیفیت کے متعلق مجھ تک پہنچی۔

اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا، کہ اس زمانہ کے معاصر پرچوں میں بھی اس مضمون کی نقلیں شائع ہونے لگیں۔ حتیٰ کہ مدراس کے ایک بزرگ نے تو کمال ہی کر دیا کہ ابھی مضمون نصف سے کم ہی شائع ہو سکا تھا، لیکن صبر سے کام نہ لے سکے اور تکمیل کا انتظار کئے بغیر جلد اول کے عنوان سے شائع شدہ حصہ کو کتاب بنا کر انھوں نے چھاپ بھی دیا مجھے اس کی خبر نہ تھی ایک دوست نے اطلاع دی منگا کر دیکھا، کاغذ خصوصاً قسم اول میں تو انھوں نے گویا آرٹ پیپر ہی کا لگایا تھا، لیکن کتابت اور طباعت حد سے زیادہ حوصلہ شکن تھی تاہم

اپنے فطری اقتضا۔ کی بنیاد پر خاموش ہو کر رہ گیا۔

پھر مضمون کی تکمیل کے بعد مطبع قاسمی کے مالک اور مینجر مولینا طاہر صاحب نے بھی کتاب کی شکل میں دوسری دفعہ اس کو چھاپا، مگر افسوس ہے کہ چھاپنے سے پہلے اب کی بھی مجھے مطلع نہ کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو کتابت وطباعت کاغذ کے لحاظ سے تو چنداں شکایت کی کوئی بات نہ تھی۔ لیکن مدراسی نسخہ میں جو نقائص اور غلطیاں رہ گئی تھیں، قریب قریب وہ ساری باتیں طبع دوم میں بھی باقی ہی رہ گئیں۔ لیکن درویش کا قہر ظاہر ہے کہ جان درویش کے سوا اور کہاں جا کر ٹوٹ سکتا ہے۔

اس عرصے میں وقتاً فوقتاً بعض اہلِ نظر کی نظر سے یہ کتاب گذرتی رہی۔ ان نقائص اور خرابیوں کے باوجود میں نے تبریک وتحسین کے ان الفاظ کو ہمیشہ تعجب سے پڑھا۔ اپنے آپ کو جن کا کبھی مستحق نہیں خیال کرتا تھا' مولوی ظفر الملک علوی تو اپنے رسالے الناظر میں ہمیشہ اس کتاب کا اشتہار دیتے ہوئے التزاماً ان الفاظ کو استعمال کرتے تھے کہ:۔

"نرالے اور البیلے طرز تحریر کا ایک عجیب وغریب نمونہ ہے"۔

اس سلسلے میں کم از کم میری نگاہ میں جس واقعہ کی حیثیت ایک تاریخی واقعہ کی ہے۔ وہ اس فقیر اور مولینا عبد الماجد صاحب دریا آبادی مدیر صدق ومترجم قرآن کے تعلقات کی ابتدا ہے۔ جس حلقہ میں فقیر اور مولینا کے تعلقات کو آج

خاص امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا ہے شاید ان حضرات کو یہ معلوم نہیں کہ ابتدا اس کی اسی کتاب "الغفاری" سے ہوئی۔

خاکسار جامعہ عثمانیہ میں معلم الصبیانی" کی خدمت اختیار کر چکا تھا، جامعہ ہی میں ایک دن ایک کارڈ ملا۔ ایسے حروف میں لکھا ہوا، جن سے آشنا نہ تھا اور حروف بھی ایسے کہ اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے ان سے یوں بھی آشنا ہونا مشکل ہی تھا، تاہم کوشش کی گئی اور بحمداللہ آشنائی میں کامیابی، اور کیسی کامیابی جس کا سلسلہ یہ توقع ہے کہ ابد تک انشاءاللہ تعالیٰ باقی رہے گا۔ الدنیا کے ساتھ ساتھ "الآخرۃ" میں بھی اُمیدوار ہوں کہ اس کے نتائج سے مستفید ہونے کا موقع بخشا جائے گا۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ مولٰنا عبدالماجد صاحب نے اپنے اس سب سے پہلے عنایت نامہ میں ارقام فرمایا تھا کہ

"تمھاری کتاب جو صورۃً اگرچہ پڑھنے کے قابل نہ تھی، لیکن غالباً کسی کے کہنے سے میں نے جب اس کو پڑھ لیا، تو مصنف کو اس کی محنت کی داد نہ دینا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید جرم اور گناہ کی حد تک پہنچ جائے،" الغرض اسی گناہ کے ازالہ کے سلسلہ میں اس رقیمہ مودّت سے سرفرازی بخشی گئی تھی، اس میں جو کچھ ارقام فرمایا گیا، کچھ یاد بھی نہ رہا۔ اور ضرورت اعادہ کی باقی ہی کب ہے "سچ" اور "صدق" کے صفحات میں "الحُبّ لِلّٰہ" کے زیر اثر

ان کے قلم نے جو ابدی نقوش ثبت کئے ہیں، ظاہر ہے کہ اب اس سے زیادہ اس سلسلہ میں اور کیا لکھا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان صوری اور معنوی نقائص اور کوتاہیوں کے باوجود جو اب تک اس کتاب میں باقی رہ گئی تھیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ کہنے والوں نے اگرچہ

من صنف قد استھدف — جس نے تصنیف کی وہ نشانہ بنایا گیا۔

کے فقرے کو ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور کردیا ہے لیکن خدا کے فضل و احسان کے سوا اسے اور کیا سمجھوں کہ فقیر کو بالکل اس کے برعکس اپنی اس کتاب کے متعلق

من صنف عرّف — جس نے تصنیف کی، اس کی تعریف کی گئی۔

کا مسلسل تجربہ ہوتا رہا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر سابق صدر الصدور ممالک آصفیہ سے نیاز مندی کے تعلقات گو بہت قدیم ہو چکے تھے، لیکن ان کے سامنے اپنے تصنیفی کوششوں کو پیش کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

ایک خاص وجہ سے "الغفاری" ان کی نظر سے اتفاقاً جب گزری تو جو اثر اس کتاب سے ان کے "قلب دانا" اور ضمیر روشن نے لیا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پچھلے دنوں بیسیوں چیزیں فقیر نے لکھیں۔ لیکن شروانی صاحب نے سب کو پڑھ کر یہی ارقام فرمایا کہ "الغفاری" والی بات کسی میں نہیں ایک مہینہ کے قریب ہوتا ہے کہ کلکتہ کے مشہور سیاسی مجاہد مولوی راغب احسن ایم۔ اے کا شفقت نامہ آیا۔ وہ ایک زمانہ تک ڈاکٹر اقبالؔ مرحوم کے حلقہ نشینوں میں رہ چکے ہیں ارقام فرماتے ہیں کہ تیری کتاب "الغفاری" کو ڈاکٹر اقبالؔ مرحوم بھی بہت پسند فرماتے تھے، بلکہ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اس کتاب میں حضرت ابو ذرؓ کے جس خاص "معاشی نظریہ" کا ذکر کیا گیا ہے اسی کو نصب العین بنا کر ڈاکٹر مرحوم نے مولوی راغب صاحب کو آمادہ کیا تھا کہ "ابوذر سوسائٹی" کے نام سے مسلمانوں میں ایک خاص جماعت تیار کرنی چاہیئے۔

تیس سال کی مُدت کے یہ سوانح ہیں۔ جو اس کتاب پر گذرے لیکن میں ان کوتاہیوں کی وجہ سے جو اس میں رہ گئی تھیں ہمیشہ اپنے آپ کو قلق میں پاتا تھا۔ کچھ دن ہوئے ارادہ کر کے بیٹھ گیا

اور نظر ثانی میں مشغول ہوا۔ عنفوان شباب کی لکھی ہوئی کتاب کو
اپنی کہولت بلکہ شیخوخت کے قریب زمانے میں دیکھنے سے، جو
کیفیت کسی مصنف پر گذر سکتی ہے۔ گذری تو وہ مجھ پر بھی اور جی
چاہا کہ بجائے نظر ثانی کے نئے سرے سے اسے پھر مرتب کروں۔ اس
عرصے میں بعض نئے معلومات بھی مختلف کتابوں میں مل گئے تھے
لیکن پھر خیال آیا کہ ایک خاص وقت میں جو واقعی میری زندگی
کا خاص وقت ہی تھا، اس کے یاد دلانے کی جو کیفیت کتاب کی
موجودہ حالت میں پائی جاتی ہے، جدید ترتیب و تدوین میں
وہ بات جاتی رہے گی، مناسب یہی معلوم ہوا کہ نو مشقی کے زمانے
میں جس طرح بھی جو چیزیں پڑھی تھیں، اب اس کو اسی حال میں
رہنے دیا جائے بلکہ بعض[1] جاننے والوں نے تو مجھ سے یہ بھی
کہا کہ جس حال میں یہ مضمون تم نے لکھا ہے، چونکہ اب وہ حال
تمھارا باقی نہیں رہا ہے، اس لئے گو یہ ہو سکتا ہے کہ جدید

---

[1] یہ رائے میرے حقیقی منجھلے بھائی برادرم مولوی سید مکارم احسن گیلانی سلمہ اللہ تعالیٰ
کی ہے، انھوں نے جن حالات میں مجھے زندگی کے مختلف نشیب و فراز میں پایا ہے، اتنی
واقفیت اور کس کو ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان کی اس رائے کا مجھ پر خاص اثر ہوا۔ ۱۲

ترتیب وتدوین میں الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے کتاب زیادہ بہتر اور پختہ بن جائے، لیکن تاثیر کی جو کیفیت اس میں تمھارے اس زمانے کے باطنی واردات اور احساسات کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے، وہ یقیناً نہ پیدا ہو سکے گی، اور یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب کے جن تاثیری نتائج کے معائنہ کرنے کا موقع وقتاً فوقتاً مجھے ملتا رہا ہے، اپنے کسی دوسرے مضمون یا کتاب کے متعلق ان کا تجربہ کبھی نہیں ہوا بہار کے ایک رئیس و عالم جو مجھ سے عمر میں کہیں زیادہ تھے، حضرت مولینا محمد علی صاحب (مونگیر) قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خانقاہ کے حجرے میں ایک دن ان کو دیکھا کہ پلنگ پر لوٹ رہے ہیں اور ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں۔ مولینا رحمت اللہ ان کا نام تھا، مظفرپور وطن تھا ایک مستقل عربی مدرسہ کے ناظم و بانی تھے، اب انتقال ہو گیا رح بہر حال اس حال میں ان کو پا کر جب میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ فرمانے لگے کہ کیا ہوا؟ خود تم نے ذبح کیا اور پوچھتے ہو کر تڑپتے کیوں ہو، فرمانے لگے بھائی! ابھی تمھارا مضمون حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا پڑھ رہا تھا، بعض مقامات اُس کے ایسے تھے کہ دل بے قابو ہو گیا۔ اس وقت رو رہا ہوں اور ایک ان ہی کو نہیں، متعدد حضرات پر اس کتاب کا اثر یہی

پایا گیا ہے۔

ان ہی وجوہ و اسباب نے جدید تدوین و ترتیب کے خیال سے تو ہٹا دیا، صرف کتابت کی غلطیاں جہاں جہاں رہ گئی تھیں۔ حتی الوسع اُن کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کچھ جدید معلومات اس عرصے میں جو جمع ہو گئے تھے، ان میں سے بعض ناگزیر اہم باتوں کا اضافہ چند مواقع پر کر دیا گیا ہے۔

ہمارے برادر عزیز مولوی مخدوم محی الدین صاحب نظام آبادی نے میری تصحیح اور اس اضافہ کے بعد والے مطبوعہ نسخہ کو پھر قلم سے نقل کر کے میرے حوالے کر دیا تھا، جو کئی سال سے میرے پاس پڑا ہوا تھا، اب میرے محترم دوست مولوی غلام دستگیر رشید پروفیسر نظام کالج کی تحریک سے مولوی سید عبد الرزاق صاحب مالک ادارہ اشاعت اردو تیار ہوئے ہیں کہ اس مصحح و مرممہ نسخہ کو طبع کر کے شائع کریں، حق تعالیٰ ان کی اعانت فرمائے، اور ان کا یہ نیک ارادہ پورا ہو۔

وَاللّٰہُ یقول الحق وھو یھدی السبیل

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

کلیہ جامعہ عثمانیہ (شعبہ دینیات ۲۲ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ)

# حضرت ابُوذر غفاریؓ

## قبیلہ غفار کی جائے سکونت

مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ پہاڑوں کے دروں، اور ریگستانی بیابانوں میں ہوتا ہوا شام و فلسطین کی طرف جاتا ہے، ٹھیک اسی شاہراہ کے کسی ایک[1] سمت میں غفار بن ملیل بن ضمیر (جو کنانی النسل[2] عرب تھے) کی اولاد غفار کے نام سے بسی ہوئی تھی[3] عام طور سے اس لفظ کا تلفظ غین کے زبر اور ف کے تشدید کے ساتھ کیا جاتا ہے جو غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ غین کو کسرہ یعنی زیر اور ف کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے یعنی غِفار۔

---

[1] حافظ ابن حجر نے واقدی کے حوالہ سے بدر (مشہور معرکہ کارزار) کے ذکر میں نقل کیا ہے کہ عن غیر واحد من شیوخ بنی غفار" انا ہی ماوانا و مغازلنا" صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ مصر نسخہ صدیقیہ میں یہی مطلب ہے کہ بنی غفار کے متعدد بزرگوں کا بیان ہے کہ بدر آن لوگوں کا ماوٰی اور قیام کی جگہ تھی، ممکن ہے کہ قبیلہ غفار کے مختلف منازل میں یہ بھی ہو ۱۲

[2] کنانہ آنحضرت صلعم کی پندرھویں پشت میں واقع ہوتے ہیں اور انھیں پر حضرت ابوذر غفاریؓ آنحضرتؐ سے مِل جاتے ہیں۔ سیاتی التفصیل ۱۲۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

## غفاریوں کے اخلاق وعادات

قریش [1] کے رحلۃ الصیف کا ایلاف شوق انھیں پہاڑی سڑکوں کی پشت پر پورا ہوتا تھا، آئے دن قریشی تاجروں، عربی ساہوکاروں کے ہزاروں اونٹ عرب کی مخصوص پیداواروں سے لدے ہوئے شام کی طرف جاتے تھے اور وہاں سے شامی غلے اور رومی دولتوں کے انبار عرب لاتے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جوں جوں بازنطینی حکومت شام میں اپنے قدم جماتی جارہی تھی عربی تجارت کو خاص ترقی ہوتی رہی۔

غسانیوں کی پشت پناہی میں رومی درباروں تک عرب کی بخوبی گزر ہوتی تھی، ان کے لئے ان ملکوں میں ہر طرح کی آسانیاں مہیا ہوتی رہیں تاآنکہ آخر زمانہ میں تو عرب تجارت سے رومی حکومت نے چنگی کا محصول بھی اٹھا دیا تھا۔

---

(بقیہ حاشیہ سابقہ) [3] بخاری۔ طبقات بن سعدی ج ۴ ص ۱۶۱

[1] قریش اپنے ملک سے تجارت کی غرض سے دو موسموں میں نکلا کرتے تھے گرمیوں میں ا
کا سفر شام وبصریٰ کی طرف ہوتا تھا اس کا نام رحلۃ الصیف یعنی گرمی کا سفر تھا اور جاڑوں میں
یمن کے مرکزی شہروں میں گھومتے ہوئے عراق کی طرف پھیل جاتے تھے اور اس کا نام رحلۃ الشتا
یعنی سردی کا سفر تھا قرآن مجید نے ان کے دونوں سفروں کا ذکر کسی خاص مناسبت کے ساتھ کیا ہے

قیاس کا مقتضیٰ ہے کہ عرب کی ان تجارتی ترقیوں پر راستے کے قبائل و اعراب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑنے لگیں اور رفتہ رفتہ اس معاملہ نے یہ صورت اختیار کی کہ غفار کے جوشیلے بہادر نوجوانوں سے نہ رہا گیا۔ پھر جیسا کہ جہالت و افلاس اور شجاعت کے مجموعی جذبات و قویٰ کا تقاضہ ہے۔ غفاریوں کے ہاتھوں سے دامن صبر چھوٹ گیا۔ گزرنے والے قافلوں پر انھوں نے ڈاکہ زنی شروع کر دی۔ بیچارے راہ گیر و غریب مسافروں کو لوٹنے لگے۔

اس کے بعد یہ ناممکن تھا کہ ان کی غارت گری اسی حد تک آکر ٹھہر جاتی۔ ہر جرم دوسرے جرم کا مقدمہ ہے، علم النفس کا ایک مشہور ومسلم قانون ہے۔ ضمیر کے خلاف جس وقت ایک کمزوری بھی سرزد ہو جاتی ہے تو آئندہ اب اس کا انسداد مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات بے باکی بہت زیادہ دردناک ہو جاتی ہے۔ غفاریوں کو کیا معلوم تھا کہ راہ زنی کے بعد انھیں اردگرد کے قبیلوں کے ریوڑ بھی تاخت و تاراج کی دعوت دیں گے، حتیٰ کہ ایسا ہی ہوا۔ غفاری ڈاکوؤں کی ایک جماعت تھی جو صبح کی اندھیریوں میں اکثر قبیلوں پر چھاپے مارتی۔ چراگاہوں پر دھاوے کر کے ان کے اونٹوں کو ہنکا لاتی۔

---

ﮯ مستنبط از طبقات ابن سعد و صحاح۔

## غفار کا شہر حرام کی تحلیل

اور آہ کہ اگر اسی پر بس ہو جاتا تو ایک حد تک غنیمت تھا، لیکن نہیں ہو سکتا تھا، کہ جب عیش پرستی اور مال اندوزی کے ناپاک جذبات کا روحوں اور دلوں پر تسلط ہو جاتا ہے تو انسان پھر انسان باقی نہیں رہتا، اس کے دل و دماغ پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر وہ نہ حقوق اللہ کی پروا کرتا ہے اور نہ خلق اللہ کی زبان ملامت اسے روک سکتی ہے حرص و ہوا کے دیوتاؤں نے ہمیشہ روحانیت کی دیواروں کو معمورۂ دل سے ڈھاکر برباد کیا ہے، حتیٰ کہ احساسِ عزت و خودداری بھی معطل ہو جاتے ہیں۔

بنی آدم اپنی ہستی آپ فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اُسے بالکل خیال نہیں ہوتا کہ میری حرکتوں پر دنیا کیا کہے گی، خدا کو کیا جواب دوں گا۔

یہی بدحالی، یہی ابتری غفاریوں پر آخر میں طاری ہوئی کہ اب تک وہ جو کچھ بھی کر رہے تھے، عرب کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی اور ایک حد تک ایام جاہلیت کے بین الاقوامی قانون کے اعتبار سے یہ امر چنداں تشنیع بھی نہ تھا، لیکن اب ان کا قدم اور زیادہ تیز ہوا۔ یعنی اشہر حرم[1] کی تعظیم و تکریم جو عرب اور تمام عرب کے نزدیک خواہ وہ

---

[1] اشہر حرم چار ہیں۔ جن کی ترتیب صحیح روایات کے اعتبار سے یہ ہے۔ رجب۔ ذیقعدہ ذوالحجہ، محرم۔ رجب کو رجب مضر اس لئے کہتے ہیں کہ (باقی صفحہ آئندہ)

کسی صورت میں ہو ایک مذہبی روایت قومی خصوصیت کی شکل میں مسلم تھی

(بقیہ صفحہ سابقہ) ربیعہ کی نسلیں بجائے رجب کے رمضان کا احترام کرتی تھیں۔ قبائل عرب ان مہینوں میں قتال ومحاربہ، تاخت وتاراج کو حرام سمجھتے تھے حتیٰ کہ اس کی پابندی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اگر ان مہینوں میں کسی کے سامنے اُس کے باپ کا قاتل بھی آجاتا تو قتل وقتال توکجا بُرا بھلا کہنا بھی رَوا نہیں رکھتے تھے، بعد کو جب عرب میں ملتِ ابراہیمی کی جانب سے لاپروائیاں ہونے لگیں تو احتیاط میں کمی ہونے لگی۔ حیلے بہانے کی بنا پڑی مثلاً اگر محرم میں ان کو لڑنا منظور ہوتا تو محرم کی حرمت صفر میں منتقل کر دیتے، اگر اس میں بھی مہلت نہیں ملتی تو ربیع الاول اس بارِ عظیم کا حامل قرار پاتا۔ ڈھکن ا حتیٰ کہ اخیر میں کلیہ ہوگیا کہ حرمت صرف سال کے چار مہینوں میں ہے تخصیص کی قید لغو ہے، مگر اس میں بھی انھیں دقت ہونے لگی ۱۲ مہینے جلد جلد ختم ہو جاتے تو پھر سال میں اضافہ شروع ہوا، کوئی سال تیرہ مہینہ کا اور کوئی ۱۴ کا۔ اِلیٰ غیر ذالک۔

ان تحریفات کا اثر موسم حج پر بھی پڑتا تھا، حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۹ھ میں جب حج کیا ہے تو ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔ آخر میں جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ۱۰ھ میں کیا تو ذالحجہ کا مہینہ تھا جو ٹھیک موسم حج تھا۔ اسی بنا پر آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا۔

| | |
|---|---|
| الا ان الزمان لقد امتد ت | جس وقت خدا نے آسمان وزمین پیدا کیے تھے |
| کھیئۃ یوم خلق اللہ السمٰوات | زمانہ کی جو ہیئت اس وقت تھی اسی پر |

(بقیہ صفحہ آئندہ)

مگر ان دنیا پرستوں نے میرے خیال میں محض اس لئے کہ ان چار مہینوں کے قافلے ہاتھوں سے بلا وجہ ضائع ہو جاتے ہیں، متفق ہو کر یہ قانون پاس کر لیا، کہ اشہر حرام کے تمام احکام و رعایات ایک بے معنی مذہبی ڈھکوسلے ہیں جس میں علاوہ قدامت پرستی کے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک عظیم معاشی نقصان جو کسی طرح قابلِ برداشت نہیں غفاریوں کو اٹھانا پڑتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ محض اس عقیدہ کی وجہ سے ہماری رفاہیتِ قومیہ، افلاس و مسکنت کی شکار بن جائے۔

الغرض قبیلۂ غفار نے اشہر حرام کی حرمت کو حلال کر کے پھر وہ کھیل کھیلا کہ عرب کی سب سے بہادر قوم قریش بھی اُن کی ترکتازیوں سے دبنے لگی، انھیں ہر موقع پر باوجود سید الاقوام ہونے کے ان کی رعایت کرنی پڑتی تھی[1]

---

والارض (صحاح) | آج پھر گھوم کر آگیا۔

قرآن مجید نے بھی ان مہینوں میں فساد اور ظلم سے منع کیا ہے مگر بالاتفاق مقصود یہ ہے کہ ان مہینوں میں ارتکاب جرائم میں زیادہ برائی ہے ورنہ یوں تو گناہ گناہ ہے اور ہر آن میں ہے۔ یہ بجنسہٖ ایسا ہے کہ سرزمینِ حرم کو ایک خاص خصوصیت ہے کہ گناہ کی برائی اس میں زیادہ شدید ہو جاتی ہے ۱۲۔

[1] ماخوذ از بخاری۔

## آپ کی ولادت اور نام ونسب

غفاریوں پر اسی قسم کے طغیان وتمرد کے بادل چھائے ہوئے تھے لیکن عین انھیں دلوں میں جنادہ بن کعب صعیر بن الواقعہ بن سفیان بن حرام بن غفار کے گھر رملہ بنت ربیعہ کے بطن سے جو ایک غفاریہ خاتون تھیں وہ سعید لڑکا پیدا ہوا جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی نہیں اٹھایا تھا اور نہ آسمانوں نے اس سے زیادہ اصدق ترین لہجے والے کو اپنے آغوشِ ظلال میں پالا تھا۔ اور جو اپنے عیسوی تقویٰ وورع کی وجہ سے اخیر میں مسیح الامۃ کے نام سے ملقب کیا جانے کا بجا طور پر مستحق قرار پایا

ماں باپ نے آپ کا نام جندب[۲] رکھا اور اسی نام کی وہ پیاری تصغیر ہے جسے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "یا جنیدب[۳]"

---

لہ یہ نص نبوی ہے جیسا کہ عنقریب آپ کے مناقب میں اس کی تفصیل آتی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی رہی کما سیاتی ۱۲

سلہ بعضوں نے آپ کا نام "بریر" بتایا ہے، ممکن ہے کہ یہ بھی ہو کیا ایک آدمی کے دو نام نہیں ہوتے ۱۲

سلہ ابن ماجہ ۱۲

کے مشفقانہ خطاب میں استعمال فرمایا ہے۔ ابوذر آپ کی کنیت ہے
عام طور سے آپ اسی کنیت کے ساتھ مشہور ہوئے۔

## ایامِ جاہلیت کے ابتدائی حالات وسیر

یہ بالکل ناممکن ہے کہ انسان جس قوم میں پیدا ہو ان کے عادات واطوار کے پرتو اس پر نہ پڑیں۔ الّا ماشآءاللہ غفار ایک غارت پیشہ، راہ زن قوم تھی تو کوئی تعجب نہیں۔ اگر حضرت ابوذر غفاری میں بھی ان کے عادات وخصائل پیدا ہوتے، بالآخر یہی ہوا، جب کچھ جوان ہوتے، تیرو کمان سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہوئی، دست وبازو نے تلوار کے قبضہ کی طرف اشارہ کیا، اٹھے اور جاکر قافلوں کو لوٹ لیا، ریوڑوں کو بھگا لائے، فطری شجاعت نے ان کو اور بھی زیادہ جری بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی زیادہ ولولہ اُٹھتا تو تنِ تنہا راتوں کو قبیلوں پر جا پڑتے اور عرب کے بہادر گلہ بانوں کو للکار کر تہہ تیغ کرتے ہوئے اونٹوں کو بھگا کر اکیلے اپنے قبیلے تک لے آتے۔ کبھی خیال گزرتا تو گھوڑے کی پیٹھ پر بلا کسی رفیق کے کاروانوں کو جاکر لوٹ کھسوٹ لیتے تھے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے، ان کا حملہ پیادہ پا ہوتا تو عجیب چستی وچالاکی سے قافلوں میں گھستے تھے ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بپھرا ہوا شیر بکریوں پر جا پڑا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنی اس قزاقانہ مساعی پر قوم کے بزرگوں سے خوب خوب دادیں ملیں اور چونکہ جوان طبیعتوں کی اشتعال پذیری کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے انھوں نے راہ زنی میں نمایاں حصہ لینا شروع کیا ہوگا اور اس معاملہ میں بہ نسبت اور لوگوں کے ان کی دست درازیاں حد سے گزر گیئں ہوں گی۔

## راہ زنی سے توبہ

اور میرے نزدیک یہی زیادتی شاید ان کے لئے مفید ہوئی۔ غالبًا ان کی سلیم فطرت بچوں کے مسلسل شور و بکا، عورتوں کی گریہ وزاری سے اخیر میں متاثر ہوئی ناممکن ہے کہ ڈھاڑیں مار مار کر بیچاری عورتیں ان کے قدموں پر روز و شب تڑپتیں اور وہ دل جو قدرت نے ان کے سینے میں ودیعت فرمادیا تھا ان سے نہ پگھلتا۔

آخر پگھلا، پسیجا، آپ پر اصلی فطرت غالب آگئی اور صحبت کے بُرے آثار جو طبیعی نہ تھے مقہور ہو گئے۔ آپ کو اپنی اِن ظالمانہ حرکتوں پر سخت ندامت ہوئی، عقل نے بھی اندرون دل میں رافت و رحمت کی بوندیں ٹپکائیں۔ اور اخیر میں یوں سمجھو! کہ وہ جو ہمیشہ گرتوں کو سنبھالتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے، مُردے سے زندوں کو اٹھاتا ہے۔ اسی کا

دستِ کرم ظاہر ہوا اور کھل گیا کہ یہ جو کچھ ہے حرص کی غلامی اور ہوا و ہوس کی پرستاری ہے۔

ادھر خیالات میں یہ انقلابِ عظیم پیدا ہوا تھا، خیر کے دریا کو جنبش میں لے آیا کہ اس کے بعد ہی جیسا کہ ہر تائب کو توبہ کے بعد ہوتا ہے کہ جرائم و معاصی کی مفصل فہرست آنکھوں کے سامنے کھل گئی۔ گزشتہ تعدیوں، خونریزیوں کے خیال نے ہوش اُڑا دیے آخرت کے خیال نے دل میں ہل چل ڈال دی۔

## اسلام سے پہلے عبادتِ خدا کا خیال

عرب مشرک ضرور تھے دیوتاؤں اور دیویوں پر انھیں بھروسہ تھا، اور بنی غفار بھی تمام اعمالِ ضلالت وخبث میں ان کے دوش بدوش تھے، لیکن قرآن وحدیث آثار واشعار کی تتبع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو اُنھوں نے سرے سے بھلا نہیں دیا تھا اگر ہم کہیں کہ وہ اپنے تمام معبودوں میں خداوند تعالیٰ کو سب سے بڑا سب سے زیادہ قدرت و حکمت والا مانتے تھے تو کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ بتوں کو انھوں نے محض سفارت وشفاعت کا عہدہ دے رکھا تھا اپنی معمولی حاجات یا صرف دنیوی ضروریات کو ان کے آگے پیش کرتے تھے، ورنہ اگر کوئی امر مہم پیش آجاتا تو اس وقت

ان کی پیشانی بھی خدائے واحد ہی کے آگے جھک جاتی تھی۔

| | |
|---|---|
| فاذا رکبوا فی الفلک دعوا | جب کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں تو خدا |
| اللہ مخلصین لہ الدین | کو سچے دل سے پکارتے ہیں، پھر |
| فلما نجاھم الی البر | جب خدا انھیں خشکی کی طرف نکال دیتا ہے |
| اذھم یشرکون۔ | تو وہی شرک کرنے والے ہو جاتے ہیں۔ |

سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ بعض قبیلوں کے دلوں میں تو چنداں وقعت بھی نہ تھی کھجوروں کے بت کو قحط کے ایام میں عربوں کا چٹ کر جانا، ان کی دلی تکریم کی پوری تشریح کرتا ہے۔

بہرکیف وہ خداوند تعالیٰ کو ضرور مانتے تھے اور سب سے بڑا معبود مانتے تھے۔ اپنے اہم معاملات میں اسی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے علی الخصوص جب کہ کوئی اُخروی و دینی ضرورت ہو۔

اور اسی بنا پر میرا قیاس ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ اپنی عاقبت[1] کی بدانجامی کا خوف روز بروز بہت

---

[1] آخرت کا خیال اکثر عربوں میں موجود تھا۔ البتہ ایک روشن خیال طبقہ تھا جو ان چیزوں کو اساطیر الاولین (پہلوں کی داستانیں) اور افک قدیم (پُرانا جھوٹ) کہہ کر لغو قرار دینے کی کوشش کرتا تھا ۱۲۔

زیادہ شدت پذیر ہوا کو مضطرب ہو کر انھوں نے بجائے اساف و نائلہ لات و عزیٰ کے یہی رائے قائم کی کہ "میرا جرم عظیم ہے، میں نے سینکڑوں بیکسوں، مسافروں، بچوں اور عورتوں کو بے دردی کے ساتھ ستایا ہے۔ اس لئے اب مجھے اپنی عمر باقی کا حصہ اکیلے خدا کی عبادت و پرستش میں گزار دینا چاہئیے۔ ممکن ہے کہ یہی عبادت گزشتہ معصیتوں کی کفارہ ہو جائے۔ اس خیال کا رنگ آپ پر اس قدر گہرا ہو کر چڑھا کہ بغیر کسی تعلیم وارشاد کے خود اپنے جی سے عبادت کی کچھ صورت مقرر کر لی کہ صرف دل کی پشیمانی اور اقرار الوہیت سے عبادت کی حقیقت مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ جیسا کہ فطرت سلیمہ بشریہ کا تقاضا ہے ہے۔ خود فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| ولقد صلیت یا ابن اخی قبل ان القی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث سنین۔ | میرے بھتیجے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے سے تین سال پہلے سے نمازیں پڑھتا تھا۔ |

(طبقات و صحیح مسلم)

راوی نے پوچھا کہ آپ کس کی نماز پڑھتے تھے کہ عرب کی شرک وضلالت کو دیکھتے ہوئے اس کو نماز کا نام سن کر تعجب ہوا آپ نے

فرمایا کہ لِلّٰہ (خدا کے لئے)

اُس نے پھر پوچھا کہ تو کس طرف رُخ کرکے پڑھتے جواب میں فرمایا۔

| | |
|---|---|
| حیث یوجھنی اللہ | جدھر اللہ تعالیٰ جھکا دیتے ہیں۔ |

اور خیر یہ تو گزشتہ اعمال و افعال کی فراوانی دیکھ دیکھ کر اس درجہ آپ پر خشیت مسلط ہوئی کہ تعجب ہوتا ہے۔ خود بیان کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| اصلی عشاء حتیٰ اذا کان اخر السحرا لقیت کانی خفاء حتی تعلونی الشمس (صحیح مسلم وطبقات) | رات کی نماز کے لئے کھڑا ہوتا اور کھڑا رہتا) یہاں تک کہ جب پچھلی رات بھی ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیتا اور اس طرح پڑا رہتا کہ گویا کوئی کپڑا پڑا ہوا ہے یہاں تک کہ مجھ پر دھوپ پڑنے لگتی تھی (تو اٹھتا) |

---
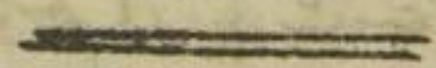
الغرض چند ہی دنوں میں حضرت ابوذر غفاری کا رنگ ہی دوسرا ہو گیا۔ راہزنی کے تمام ولولے تاخت وتاراج کے جوش وخروش یکایک ٹھنڈے پڑ گئے، صبح وشام اپنی فرضی عبادت میں محو رہتے۔

**ترکِ وطن** ایسا خیال ہوتا ہے کہ بنی غفار پر آپ کی اس اجنبی حالت کا خاص اثر ہوا ہوگا۔ اولاً تو ان باتوں کو وہ ایک

جنون و دیوانگی سمجھتے ہوں گے ثانیاً اُن کو اپنے قوم کے ایک بڑے بہادر کی کمی کا خیال بہت گراں گزرا ہوگا - پھر ساتھ ہی اس کے جیسا کہ نفسِ انسانی کی سلیم فطرت کا اقتضاء ہے کہ وہ اندھے کو کنویں کی طرف جاتا دیکھ کر چلّا اُٹھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اس میں گر نہ جائے اسی طرح یقیناً حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن چیزوں کو اپنے روحانی احساس کے ذریعہ سے زہر سمجھ چکے تھے ان سے اپنی قوم اور برادری کے لوگوں کو روکتے ہوں گے، خصوصاً جب کہ ان کو اپنی قوتِ فیصلہ کی طاقت پر اس درجہ اعتماد بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایام اسلام میں صحابہؓ کی رایوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے تو غالباً اس روک ٹوک کا قصہ بڑھتے بڑھتے زیادہ طول کھینچا ہوگا تفصیل تو نہ مل سکی گمان ہے کہ نزاعِ اشہر حرام ہی کے متعلق ہوئی - اور معاملہ زیادہ نازک ہوا - بنی غفار آمادہ اذیت دپیکار ہوئے، حتیٰ کہ مجبور ہو کر آپ نے اس وقتِ ترک وطن کو مناسب سمجھا فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| خرجنا من قومنا غفار دکانوا | اپنی قوم غفار سے میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ |
| یحلون الحرام (طبقات وصحیح مسلم) | لوگ حرام مہینوں کو حلال سمجھتے تھے۔ |

اپنی جلا وطنی کے قصہ کے درمیان میں اشہر حرم (حرام مہینوں کی

تحلیل کو ے آنا بتاتا ہے کہ آپ کی زیادہ برافروختگی اسی مسئلہ پر تھی
بہر کیف آپ اپنی والدہ محترمہ اور بھائی انیسؓ کو ساتھ لے کر
گھر سے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ وہی بنی غفار جس کو کسی زمانہ میں ابوذرؓ
کے دست و بازو پر فخر و ناز تھا ۔ آہ ! کہ کس درجہ عبرت ناک نظارہ
ہے کہ حق و صداقت کی حمایت کی بدولت وہ اپنے آبائی وطن کو چھوڑتا
ہے ۔ سچائی نے لوگوں کو اس کا دشمن بنادیا ہے ۔ اس کی تمام آبرو
عزت محض اس لئے دلوں سے نکل چکی ہے کہ وہ ان کے فسق و
فجور پر راضی نہ تھا ۔

تاریخ کی زبان گو ساکت ہے ، اور نہیں بتاتی کہ قوم کے اس معزز
انسان پر اس کی اصلاح کے بعد کیا کچھ گزری ، لیکن تجربہ اور مشاہدہ
تصویر تکلم ہے ۔ وہ آئے دن اس کا مرقع ہمارے سامنے اس وقت
پیش کرتا ہے جب مہذب ڈاکوؤں ، متمدن غارت گروں کی جماعت
کا کوئی آدمی رشوت و خیانت ، فریب و دغابازی کی عادتوں سے
توبہ کر کے محض اپنی حلال تنخواہ پر اوقات گزارنے کے لئے تیار ہو جاتا
ہے تو یکایک جیسے اس وقت اس کی تمام تر بیدار مغزیاں انتہائی
خردماغیوں کے لفظوں سے تعبیر کی جاتی ہیں اگر اس سے پہلے وہ
اپنے کنبہ کا سب سے زیادہ ہوش مند و جواں بخت فرد ۔

تھا تو اس کے بعد قبیلے کا وہ ایک سخت اور منحوس آدمی بن جاتا ہے۔

اس سے پہلے قوم کا ایک ایک آدمی اسکی عنائیت پرورانہ تبسموں کا آرزو مند رہتا تھا۔ لیکن اب لوگوں کو اس کی چیخ وپکار کی پرواہ بھی نہیں۔ وفی ذٰلک لعبرۃً لاولی الابصادۃ

جب کہ حق وراستی کے یہ لازمی نتائج ہیں تو اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ بھی ان کی قوم کا یہی برتاؤ ہوا تو کوئی تعجب نہیں۔ غفار کے خیموں پر جو ان کے بچپنے کی کھیلنے کی جگہ تھی۔ ان صحراؤں پر جو ان کی شہسواری کے بازی گاہ تھے آہ کہ ان سب پر نگاہ حسرت والم ڈالتے ہوئے وہ رخصت ہورہے ہوں گے مگر امید نہیں پڑتی کہ غفاریوں کا کوئی آدمی اُن کو روکنے کے لئے اٹھا ہوگا۔ اور غفاری کیا روکتے کہ وہ تو جاہل تھے آج جب کہ تعلیم یافتوں کا یہی حال ہے تو تا بجاہلاں چہ رسد۔

## ماموں کے ہاں آنا

بہرکیف آپ کی جلاوطنی کی علت خواہ کچھ ہی ہو۔ آپ نے غفار کو چھوڑا قریب کے رشتہ داروں میں آپ کے ایک مہربان ماموں کسی دوسرے قبیلے میں اقامت گزیں تھے۔ وہیں کا ارادہ کیا۔

قطع منازل کے بعد اس قبیلے میں پہنچے۔ آپ کے ماموں نے جو اپنی بچھڑی ہوئی بہن (یعنی آپ کی والدہ) کو اس غربت کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا۔ جی بھر آیا۔ بھانجوں کی تسلی کی، خیمے خالی کر دیئے۔ غرض ایک ماموں سے جس ہمدردی کی امید ہو سکتی تھی۔ وہاں آپ کو میسر آئی نہایت چین و اطمینان کے ساتھ رہنے لگے۔ یہاں ان کو اپنے مشغلے سے کوئی روکنے والا نہ تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ تجربوں نے آپ کو سکوت و صبر کی تعلیم بھی دی۔ کوئی نیا فتنہ بھی نہ اٹھ کھڑا ہوا کچھ دن اسی طرح آرام و سکون کے ساتھ گذرے۔

## ماموں کے یہاں سے روانگی

ماموں نے بھی آپ کی عنصر طیب اور جوہر ذاتی کو پہچان لیا۔ روز بروز ان کی توجہ زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ماموں کے ہاں آنے جانے والے لوگوں کے دل میں رشک کا مادہ پیدا ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے بہت سے حاشیہ نشینوں کی جگہ لے لی۔ ان کے گھر کے کام جو اب تک دوسروں کے ساتھ متعلق تھے۔ ان لوگوں کے سپرد ہو گئے۔ الغرض مختلف اسباب و علل نے اس مادہ کو تیز کیا یہاں تک کہ رشک نے حسد کی صورت اختیار کی۔ مخالفوں کی ایک جماعت تیار ہوئی جو ان کے خلاف ہر امکانی کوشش کرنے کی فکر میں

مصروف رہتی تھی۔

آپ کے ماموں کبھی کبھی سیر و شکار کی غرض سے گھر سے باہر بھی جایا کرتے تھے۔ مخالفوں نے اس کو غنیمت سمجھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ سبھوں نے مل کر آ کر کہا کہ

"جناب آپ جب باہر جاتے ہیں۔ اور گھر میں کوئی نہیں رہتا تو آپ کے بھانجے (انیس) گھر والوں پر افسری کرتے ہیں اور ہر قسم کی ابتری پھیلا دیتے ہیں ان کی وجہ سے لوگوں کی ناک میں دم ہے۔

آپ کے ماموں کی عنایات گو آپ کے بھائی پر بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ اور شاید اسی وجہ سے شکایت کا ان پر کوئی غیر معمولی اثر پیدا بھی نہ ہوا۔ تاہم وہ آدمی تھے۔ ایک دن موقعہ پا کر انھوں نے پوچھ لیا۔ کہ بھائی انیس ایسا کیوں کرتا ہے؟

اس قدر جملے کا سننا تھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ آپے سے باہر ہو گئے ایک تو اس لئے کہ وہ فطری طور پر ایک کڑے مزاج کے آدمی تھے۔ دوسرے غربت و مسافرت میں انسان کا دل بہت چھوٹا ہو جاتا ہے۔ وہ کسی کی معمولی بات کی تاب نہیں لا سکتا۔ پھر واقعہ بھی سرے سے غلط، اور ممکن ہے کہ انجام کا بھی خیال آیا ہو۔ کہ اگر اسی طرح ہم لوگوں کی شکایتیں ہوتے

لگیں۔ تو آج تو معاملہ زیادہ خطرناک نہیں ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہمیں اپنے ماموں کے گھر سے بے عزت ہو کر نکلنا پڑے۔

بس پھر کیا تھا۔ حسرت بھرے لہجے میں آپ نے اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے تمام گذشتہ احسانات کی نہروں کو گدلا کر دیا۔ بس اس کے بعد ہمارا اجتماع آپ کے ساتھ ممکن نہیں"

اور اپنے اونٹوں پر لد کر وہاں سے بھی بلا کسی توقف کے روانہ ہوئے۔

بے چارے ماموں کو کیا خبر تھی کہ محض اتنی سی بات پوچھنے سے ابوذر کا یہ حال ہوگا۔ وہ تو ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ روکتے تھے تسلیاں دیتے تھے مگر یہاں کون سنتا ہے۔ وہ وقت بھی نہایت دردناک تھا جب کہ ان لوگوں کے اونٹ اس قبیلے سے نکل رہے تھے۔ خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔

فقنطے خالنا ثوبہ وجعل یبکی[۱] — ماموں اپنے منہ کو کپڑے سے ڈھانک کر روتے جاتے تھے

---

[۱] یہ تمام واقعات صحیح مسلم و طبقات سے ماخوذ ہیں ۱۲

الغرض رائی پہاڑ بنی اور آپ کو یہاں سے بھی رخصت ہونا پڑا۔

### مکہ کی طرف رخ کرنا

مکہ معظمہ عرب کا مشہور شہر تھا۔ اپنے اپنے اونٹوں کو اسی طرف پھیر دیا۔ خاص شہر میں تو جانا آپ نے مناسب نہ سمجھا، لیکن اسی عرصہ میں آپ کے بھائی انیسؓ کا جو ایک زبردست شاعر تھے۔ کسی دوسرے شاعر سے مقابلہ ہوگیا۔ انیسؓ اپنے اشعار[1] کی تعریف کرتے تھے اور اسے بلند پایہ بتاتے۔ اور دوسرا اپنی شاعری کی مدح سرائی کرتا اور اسے بڑھاتا۔ الغرض اسی نوک جھوک میں شرط کی نوبت آ گئی۔ بات اس پر طے ہوئی کہ جو ہارے وہ اپنے ریوڑ جیتنے والے کو نذر کرے۔ ایک کاہن حکم مقرر ہوا دونوں اس کے پاس حاضر ہوئے خوش قسمتی سے کاہن نے حضرت انیس کے موافق فیصلہ دیا۔ ان کے اشعار کو خصم کے شعروں سے بہتر بتایا حضرت انیس خوش خوش اپنی ریوڑ کے ساتھ اس کی ریوڑ بھی قیام گاہ پر ہنکا لائے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس تائید غیبی پر بہت مسرت ہوئی۔

---

[1] میں نے فنافر انیس جو صحیح مسلم وطبقات کا جملہ ہے اس کی شرح امام محی الدین نووی کی رائے کے موافق کی ہے ۱۲

## دربارِ نبویؐ تک باریابی کے اسباب

یہ وہ زمانہ تھا کہ رافتہ صمدیہ ملت ابراہیمیہ کے اہتمام و احیاء کے لئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت قدسیہ کو انتخاب کر چکی تھی۔ حرا کا واقعہ نزول وحی بعثت کے حوادث گذر چکے تھے اسلام کی تبلیغ کی آواز عشیرۃ اقربین سے گذر کر ام القریٰ میں گونج چکی تھی گھر گھر اس نئے دین ظاہر ملت غالبہ کا چرچا تھا۔ کفاروں میں اسلاف پرستی کے جذبات موج زن تھے۔ بچوں سے بوڑھوں تک اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی تائیدوں میں سرشار ہو رہا تھا۔

راہ گیروں اور مکہ میں آکر بازار کرنے والے اعراب و مسافرین کے کان کھڑے ہو چکے تھے۔ مکہ سے جو باہر جاتا۔ وہ اس کی خبر کو ہر اپنے شناسا ملنے جلنے والے کو تعجب سے سناتا تھا۔

اس عرصہ میں مکہ سے کوئی مسافر حضرت ابوذر غفاریؓ کے پڑاؤ کی طرف گذرا۔ آرام لینے کے لئے کچھ دیر شاید وہاں ٹھہرا ہوگا۔ بات میں بات پیدا ہوئی۔ معلوم نہیں حضرت ابوذرؓ کے خیالات سے اسے قبل سے واقفیت تھی۔ یا اسی وقت ان کی گفتگو سے اسے معلوم ہوا کہ "آپ بھی ایک ہی خدا کے ماننے والوں میں سے ہیں"۔ بہرکیف اس نے کہا "ابوذر! یہ تم جو کچھ کہتے ہو، مکہ کا ایک شخص

بجنسہ اسی کا مدعی ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کلام نازل فرمایا اور اسے اپنا پیغمبر بنایا ہے خدا کا حکم ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی معبود سے کوئی واسطہ نہ رکھو[1] "اس نے تو روا داری میں یہ خبر سنائی۔ لیکن ادھر حضرت ابوذر کا دل بلیوں اچھل پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوہر مقصود کی جگمگاہٹ نے ان کے دل دماغ کو روشن کر دیا سمجھ لیا۔ کہ وقت قریب ہے۔ دل کی بے چینی کی دوا آسمان سے اتر چکی ہے۔

سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے، اور نہایت اضطراب کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنے لگے۔

کہ اس کا اصلی وطن کہاں ہے کس قبیلے کا آدمی ہے، مکہ کے کس خاندان سے اسے تعلق ہے؟

راہ گیر نے سارا نشان و پتہ بتا دیا۔ کہ وہ مکہ کا باشندہ ہے۔ اور قبیلہ قریش کے ممتاز خاندان کا آدمی ہے[2]۔

اس قدر پوچھ کر آپ چپ ہو گئے، دل میں ایک انجذابی کیفیت

---

[1] طبقات ص۱۶۳ ج ۶۔ ۱۲

[2] طبقات اور صحیح مسلم ۱۲۔

تھی جو رہ رہ کر ان کو مکہ معظمہ کی طرف گھسیٹ کرلے جانا چاہتی تھی لیکن کچھ اپنے بت پرست بھائی کا خیال، کچھ مشرکہ ماں کی خاطر سے دل میں اس انگارے کو دباتے بیٹھے رہے۔ جو تبلیغ کے بعد ہر ایسے دل میں خود بخود بلا کسی دلیل و حجت کے پیدا ہوتا ہے۔ عقیدت والفت کا ایک دریا تھا۔ جو روح ابو ذری میں جوش زن تھا نہیں سمجھتے تھے کہ کیا ہے، اور کیوں ہے مگر تھا۔ اور وہ اس کے ہیجان سے بے کل تھے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔ مگر یہاں تو سعادت آپ کی پیشانی چوم چکی تھی۔ آپ کے رشد وہدایت کا سامان آسمان پر کیا گیا تھا۔ انیسؓ نے یکایک آپ سے آکر کہا " بھائی جان! میں ذرا مکہ جاؤں گا آپ ذرا اونٹوں کی نگہداشت فرمائیے گا۔ ان کے چارہ پانی کا خیال رکھیں، انشاء اللہ تعالیٰ جلد واپس آتا ہوں[۱]"۔

ایک آواز تھی۔ یا بجلی، جس کی رو تمام قوی وحواس پر آناً فاناً دوڑ گئی۔ خدا جانے حضرت ابوذر نے کیا دیکھا۔ سامنے سے کیا چیز تڑپ کر

---

[۱] بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر نے حضرت انیس کو جانے کا حکم دیا تھا لیکن صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انھوں نے سبقت کی میں نے دونوں میں تطبیق دی ہے کہ یہ اجازت کے لئے امر تھا نہ کہ ابتدائی۔ ۱۲

نکل گئی، مگر فوراً کچھ سوچ کر آپ یکایک تھم گئے۔ اور خود ساختہ طمانیت و سکون طاری کرتے ہوئے (بجنسہ اس طرح جب کہ ایک بدنام و ناکام کوچہ محبوب سے روکا گیا ہو۔ اور آنے جانے والوں سے کسی کی خیریت و صلاح اجنبی انداز کے ساتھ پوچھتا ہے) انیسؓ کو آپ نے اجازت دی اور اصل مقصد کو جس بے غرضانہ اسلوب، مگر دل دوز لفظوں میں ادا کیا ہے میں اسے بجنسہ بخاری سے نقل کرتا ہوں۔

| | |
|---|---|
| اركب الى هذا الوادی فاعلم | اس وادی (مکہ) کو جاؤ (کوئی مضائقہ |
| لی علم هذا الرجل الذی | نہیں، مگر ہاں) میرے لئے یہ کرتے آنا |
| یزعم انه نبی یاتیه الخبر | کہ وہ جو اپنے کو نبی خیال کرتا ہے اور |
| من السماء واسمع من قوله | کہتا ہے آسمان سے اس کے پاس خبریں |
| ثم ائتنی | آتی ہیں۔ ذرا اس کی حالت دریافت کرنا۔ |
| (بخاری) | سننا کہ وہ کیا کہتا ہے (یہ کرکے)، پھر آنا |

ادھر حضرت انیسؓ تو مکہ کو روانہ ہوئے۔ ادھر ایک شعلہ انتظار تھا جو ان کے رخصت ہوتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل و جگر میں بھڑکنے لگا۔ رہ رہ کر اس کی شدت بڑھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اس سختی کو آپ اسلام کے بعد بھی نہ بھولے تھے اپنی داستان سناتے

ہوئے فرمادیتے۔

فراق سے علے؎۱ انیس نے بہت دیر لگائی تھی۔

بہرکیف دیر ہوئی تھی یا نہیں۔ لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر یہ وقت بہت گراں گذرا اور شاید اس سے زیادہ شکایت کسی تراخی کی اُنھوں نے کبھی نہیں کی۔

حضرت انیسؓ واپس ہوئے، ایک معمولی انداز کے ساتھ ملے، اور پھر پوچھا "کہ اتنی دیر تم نے کہاں لگائی" حضرت انیسؓ نے فرمایا کہ "اسی آدمی سے ملنے میں دیر ہوئی، اس کا طریقہ وہی ہے جو آپ کا ہے اور وہ اچھی عادتوں کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے کو رسولؐ گمان کرتا ہے۔"

حضرت ابوذر نے فرمایا کہ اچھا مکہ والے ان کو کیا کہتے ہیں کیسا آدمی سمجھتے ہیں۔ انیسؓ نے کہا کہ اسے کوئی شاعر کہتا ہے اور کوئی کاہن کہتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقعہ پر غایت نشاط و مسرت کے ساتھ اپنے اسلام کی حالت بیان کرتے ہوئے

---

؎۱ طبقات ۱۲

خاص اس مقام پر فرمایا کرتے تھے :

"انیس حالانکہ د ایک اچھا شاعر تھا مگر اُس نے یہی کہا کہ صاحب میں نے شعر کے اوزان پر ان کے شعروں کو خوب جانچا ۔شعر تو وہ یقیناً نہیں ہیں ۔ رہا کاہن ۔ تو میں سیکڑوں کاہنوں سے بھی ملا ہوں ، ان کی باتیں سنی ہیں لیکن اس شخص کے کلام کو ان کی گفتگو سے کوئی واسطہ نہیں ۔ قسم خدا کی وہ سب کے سب جھوٹے ہیں یقیناً وہ سچا[1] ہے "

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہوا۔ پوچھنے کی ضرورت نہیں ۔ ناصح جب دل گرفتوں کا ہم خیال و ہم دم ہو جاتا ہے تو اس وقت اطمینان کی جو خنکی دلوں میں محسوس ہوتی ہے ۔ حضرت ابوذرؓ کے سینہ کو بھی اسی سے معمور سمجھنا چاہیے ۔

حضرت انیسؓ کے خیال کے اس انقلاب نے ان کے تمام غم غلط کر دیئے ۔ اور ایک مسرورانہ لہجہ میں فرمایا ۔

"شفیتنی مما اردت ہم جس (مرض کا علاج) چاہتے ہیں تم

---

[1] صحاح طبقات تمام واقعات ۱۲

(بخاری) اس کی شفا نہیں لائے (اور کہاں سے لا سکتے تھے)

اس کے بعد کہا کہ انیسؓ!

اکفنی اذھب فانظر تم میری جگہ اب گھر رہو ذرا میں جاتا ہوں تاکہ میں بھی تو دیکھوں کہ کون
(طبقات) ہے (کہ ساری تڑپ و بے چینی اسی ایک نظر کے لئے تھی اور آہ! کہ اس وقت تک کتنوں کو ہے)

## سفر مکہ مکرمہ

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کیا کرتے تھے۔ لیکن شیراز کے بلبل نے صدیوں کے بعد اس اشتیاق و بے چینی کی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے جس کا نقل کرنا اس موقعہ پر ناموزوں نہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم ۔۔۔ راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
چوں صبا بادل بیمار و تن بی طاقت ۔۔۔ بہواداری آں سرو خراماں بروم
دلم از وحشت زندان سکندر[1] بگرفت ۔۔۔ رخت بر بندم و تا ملک سلیماں بروم

---

[1] سکندر کی اولوالعزمیاں سراسر جاہ و مال کے دیوتاؤں کے تابع تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت فقط اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھی حافظ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

در رہ او چو قلم گر بسرم باید رفت — بادل در دکش و دیدہ گریاں بروم
نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آید روزے — تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم
بہ ہواداری او ذرہ صفت رقص کناں — تا لب چشمۂ خورشید درخشاں بروم

آخر وہ ذرہ اُڑا۔ جو غفار کے خالوادہ میں چشمۂ خورشید سے ملنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا محمد بن اسمٰعیل بخاری اور محمد بن سعد کاتب الواقدی راوی ہیں۔ کہ اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹی سی سیاہ مشک پانی سے بھری لدی ہوئی تھی۔ اور زنبیل میں تھوڑے سے مقلؔ[1] کے دانے تھے تلاش مجبوب میں تن تنہا حجاز کے ریگستانوں کو طے کرتے ہوئے، وہاں جا رہے تھے، جہاں جانے کے بعد پھر انھیں کسی جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جذبہ شوق نے منزل کو آسان کیا۔ اور سامنے مکہ کا سواد نظر آیا۔ نہیں بتایا جا سکتا کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس

---

[1] مقل کے عام معنی گوگل کے ہیں جو دھونی اور بخورات میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے اور معنی بھی ہیں صاحب تاج العروس لکھتے ہیں کہ دوم کے پھل کو بھی کہتے ہیں جو کھجوروں سے مشابہ ہوتا ہے۔ غیاث نے بیروں کے مشابہ بتایا ہے۔ اور یہی یہاں مراد ہے۔ واللہ اعلم ۱۲

سے پہلے بھی کسی افق سے امید کی صبح کو اس طرح طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں۔ آج وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نہیں ہیں۔ لیکن جگر سوختوں سے اب بھی پوچھ سکتے ہو۔ جن کے سامنے قبہ خضرا اپنے مسکراتے ہوئے ناصیہ جمال سے یکایک ظاہر ہوتا ہے اور شغدف والے اس پر تڑپ تڑپ کر کبھی اپنی جانوں کو کھو بیٹھے ہیں۔ فالحیوۃ حیوتھم والممات مماتھم

اس کی مستی کو مجھ سے نہ پوچھو! کہ میری ایسی قسمت کہاں ہے۔ وہ بتا سکتے ہیں جو "روضۃ" من ریاض الجنۃ[1]" کی گل بیزیوں سے وارفتہ ہو کر۔

واعظ مکن نصیحت ما شوریدگاں کہ ما

با خاک کوئی دوست بفردوس بنگریم

چلائے ہیں۔ آہ! کہ جن کی آخری تمنا۔

زاں پیشتر کہ عمر گراں مایہ بگذرد بگذار تا مقابل روئے تو بگذاریم

---

[1] حدیث میں ہے۔ (میرے گھر اور ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے ۱۲
ما بین بیتی و ممبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔ (جواب روضہ مطہرہ ہے)

کے علاوہ کبھی بھی کچھ نہیں رہی۔ فطوبیٰ لهم وحسن مآب و یوذقنی اللہ الا قتداء بہم

بہر کیف شیفتۂ نادیدہ کا مکہ میں داخلہ ہوا اس دیار میں آپ کی کسی سے جان پہچان کب تھی سامنے حرم نظر آیا سیدھے اسی طرف تشریف لے گئے، اور ایک بے کس مسافر کی طرح خدا جانے کس کے انتظار میں وہیں کہیں کونے میں پڑ رہے۔

## مکہ مکرمہ کے تیس دن

حرم میں قریش عموماً اکثر ہی آتے جاتے رہتے تھے، اور ہو سکتا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جلد کسی سے دریافت کر کے اس آستانہ تک پہنچ جاتے جس کے لئے قبیلہ غفار سے کھینچ کر وادی بطحاء اور وہاں سے حرم تک لائے گئے۔ لیکن یہ طبع غیور کو گوارا نہ تھا۔ کہ احسان کو جس سے زیادہ گرانبار احسان ممکن نہیں بت پرستوں کے وسیلے سے سر پر رکھا جائے۔ بخاری میں ہے۔

فالتمس النبی صلی اللہ　　　　نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود

---

لہ مسلم وطبقات ۱۲

علیہ وسلم دکرہ۔ ڈھونڈھا، مگر اس کو ناپسند کرتے تھے کہ کسی سے پوچھیں۔

آپ کو یقین تھا کہ وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتے، نگاہیں تاڑیں گی، دل پہچانے گا، اسی تلاش میں دن گذرتا جاتا تھا۔ لیکن کوئی پروا نہیں۔ حتیٰ کہ مقل کے دانے جو کچھ ساتھ تھے وہ بھی ان کے پاس نہیں رہے، زنبیل خالی تھی۔ گرہ میں دھیلا تک نہیں تھا۔ بھوک نے حضرت ابو ذر کو بے چین کر دیا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ استقلال کے پاؤں اس وقت ڈگمگا جاتے، آپ کی آن ٹوٹ جاتی، لیکن یہ سرمستی ایسی نہ تھی جو بھوک کی ترشی سے اتر سکتی۔ آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اٹھتے اور زمزم کی چند چلو سے تھوڑی دیر کے لئے اسے بجھا دیتے پھر اگر ستاتی، تو اس سے زیادہ جواب آپ کی طرف ۳۰ دن کے عرصہ میں کبھی نہیں دیا گیا۔ کہ ڈول کھینچا۔ اور چند گھونٹ حلق کے پار کر لیا اور بس۔

غرض کہ اسی طرح جب صبح کا آفتاب طلوع ہوتا تھا تو حضرت ابو ذر کی نگاہیں اس کی روشنی میں صرف اس آفتاب کو تلاش کرتی تھیں۔ جس سے روح کی رات دن ہوتی تھی۔ رات ہوتی تو اس کی اندھیریوں میں آپ کی نظریں اس تارے کو ڈھونڈھتیں

جس نے دنیا کے سیکڑوں بھٹکے ہوئے قافلوں کو سیدھی پگڈنڈی پر ہمیشہ کے لئے لگا دیا۔ انتظار تھا جو ختم نہیں ہوتا تھا۔ فراق تھا جس کی جگر سوزی آناً فاناً بڑھ رہی تھی۔

## قریش کا ظالمانہ برتاؤ

ایک دن اسی درمیان میں آپ کو خیال گذرا کہ جس کو ڈھونڈھتا ہوں اگر وہ نہیں ملتا تو چلو! اس کے کسی غلام سے پتہ پوچھیں۔ غیرت کا تقاضا اگر ہے تو صرف وہ کفاروں تک محدود ہے۔ لیکن اگر ان کی جماعت کا کوئی آدمی مل جائے تو اس سے پوچھنے میں کیا مضائقہ ہے۔

غرض یہ سوچ کر تاک میں رہے اتفاق سے ایک مجہول الحال، شکستہ آدمی حرم میں داخل ہوا۔ چوں کہ فلاکت زدہ تھا۔ سرا غنہ قریش نے شاید اس کی طرف سے بے التفاتی برتی ہوگی۔

آپ نے قیاس کیا کہ اس جماعت کا جو حال بیان کیا جاتا ہے وہ اس شخص سے بہت مطابق ہے۔ اسی سے دریافت کرنا چاہیے۔

قریب پہنچے اور پوچھا۔

این ھذا الذی تدعون الصابی — جس کو تم لوگ صابی کہتے ہو کہاں رہتا ہے۔

لیکن دراصل یہ آپ کو دھوکہ ہوا۔ وہ واقع میں کفار کے گروہ کا آدمی تھا۔

اس وحشت ناک سوال کے سنتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا بلکہ یقین ہو گیا۔ کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت کا آدمی ہے جواب تو کیا دیتا۔ یکایک اُس نے چیخ ماری

ھذا صابی — ارے یہ صابی ہے۔

قریش اس وقت مسلمانوں کی طرف سے بھرے ہوئے تھے۔ ہر شخص گوش بر آواز رہتا تھا۔ اس کی آواز بجلی بن کر کافروں میں کوندی۔ پھر جو کچھ ہوا۔ وہ حضرت ابوذرؓ کے زبانی سنو!

فمال اھل الوادی بکل مدرۃ وعظم فخررت مغشیا علی (طبقات صحیح مسلم) — ڈھیلے، ہڈیاں، اٹھائے مکہ والے مجھ پر ٹوٹ پڑے (اور اس قدر مارا) کہ میں چکرا کر گر پڑا۔

محبت کی امتحان گاہ میں غفار کا ایک رئیس و بہادر سردار بصد مظلومی و بیکسی، خدا کے سامنے حرم میں بُت پوجنے والوں کی لاتوں سے روندا جا رہا تھا، لیکن عشق کے فرشتے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو تھامے ہوئے تھے، ۔ ۔ ۔ ۔ ہوش آیا خدا جانے کس وقت آیا۔ اور کتنے مظالم کے بعد آیا۔ مگر جب آیا تو آشفتہ سری بحال تھی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ خود فرماتے تھے اور نہایت شگفتگی سے فریاد کرتے۔

| | |
|---|---|
| فارتفعت حین ارتفعت | پھر میں اٹھا جس وقت اٹھا، |
| کانی نصب احمر فاتیت | گویا میں ایک سرخ بُت دیتی تھی |
| زمزم فشربت ما ئھا | خون میں نہائے ہوئے تھے اسی |
| وغسلت عن الدماء | وقت زمزم پر آیا پانی پیا اور |
| (طبقات وغیرہ) | خون دھویا۔ |

بدن سے خون نکل رہا ہے۔ کپڑے لہو میں لت پت ہو گئے ہیں۔ لیکن نہ کسی کی شکایت ہے اور نہ گلہ نہایت اطمینان سے زمزم پر آئے۔ پانی پیا۔ خون دھویا۔ ارادہ کی مضبوطی میں کوئی تغیر نہیں کہ وہاں خیال ہی اور تھا۔

حافظ چو رہ بکنگرۂ کاخ وصل نیست
با خاک آستانۂ ایں در بسر بریم

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

وضع داری کا ایک وہ زمانہ تھا کہ ماموں کی معمولی سی شکایت پر آپ نے ہمیشہ کے لئے اُن سے قطع تعلق کر لیا۔ اور آج محبت کی کرشمہ سازیوں کا نظارہ اسی آسمان کے نیچے کیجئے! کہ پتھر مارے جاتے ہیں، ہڈیاں پڑتی ہیں۔ لہو بہتا ہے، دھکے دیئے جاتے ہیں لیکن پاؤں نہیں ہلتا۔ حرم کے دروازے سے "پندارم توئی" کی امید میں نگاہ انتظار نہیں ہٹتی۔ احساس تک نہیں کیا ہوا اور کیا گذری۔

اولئٰك يجزون الغرفة بما صبروا ويلقون فيها تحية وسلا مًا۔

یہی لوگ ہیں جن کو "غرفہ" کے ساتھ (جنت میں) بدلہ دیا جائے گا اور اس میں پائیں گے سلام وتحیت

کہا جاتا ہے کہ "مجاہدات" کی کوئی اصل نہیں حتٰی کہ میں نے بعضوں سے یہ بھی سنا کہ صلوٰۃ خمسہ میں خشوع اور خضوع کی بھی ضرورت نہیں۔ اور دلیل بیان کی جاتی ہے کہ صحابہ

سے یہ باتیں منقول نہیں۔

حالانکہ اولاً یہ سراسر غلط ہے۔ آثار و حدیث سے ہم قطع نظر بھی کرلیں تو قرآن کی یہ آیتیں۔

والذین یبیتون لربھم سجداً و قیاماً۔

جو (سر) ٹیکے اور کھڑے رات گذارتے ہیں اپنے پروردگار کے لئے۔

کس کا حق ہے اگر صحابہ اس کے مصداق نہیں تھے تو اور کون دعوٰی کرسکتا ہے۔

یا مثلاً۔

انھم کانوا قبل ذلک محسنین کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون ٭ و بالاسحار ھم یستغفرون ٭ و فی اموالھم حق للسائل والمحروم

اس سے پہلے یہ اپنے اعمال کو خوبصورت بنانے والے تھے بہت تھوڑی رات سویا کرتے تھے اور پچھلے کو اٹھ کر گناہوں کی بخشش طلب کیا کرتے تھے ان کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کے حق تھے۔

"والذین جاھدوا فینا" کے مجاہدہ کی یہ تفصیل الٰہی نہیں اور

کیا ہے صحیح ہے کہ بلا خضوع کے نماز کا بوجھ گردن سے ٹل جاتا ہے۔ لیکن کس نے کہا، کہ آخرت کی مصیبت بھی ایسی نمازوں سے ٹلنے والی ہے، حالانکہ عذاب دینے والا تو فرماتا ہے۔

قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون۔ — کامیاب ہوئے وہ مومنین جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔

تو کیا اس افلاح کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نہیں ڈھونڈتے تھے۔

اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے (حالانکہ نہیں مانا جا سکتا)، کہ صحابہ میں مجاہدات کا رواج نہ تھا تو حق یہ ہے کہ جن سربازوں نے اسلام سے پہلے ہی اپنے کو اس طرح مٹا دیا تھا جس کی ...... ادنیٰ نظیر یہی واقعہ ہے اور ابھی حضرت ابوذرؓ کی سوانح میں اور آنے والے ہیں۔ ان کے لئے کسی دوسرے "مجاہدہ" و "ریاضت" کی شاید ضرورت بھی نہ تھی۔

لیکن جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک "سبیل اللہ"

کے کسی شعبہ میں آزمایا نہیں گیا۔ کیونکر ان دعووں کو زبان تک لا سکتا ہے۔ جس کو میں سنتا ہوں اور ان کی عقل پر عقیدۃً اور اپنی عقل پر عملاً ہنستا ہوں۔

بہرحال تیس دن کی اس طویل مدت میں علاوہ اس واقعہ کے اور کیا کیا حوادث وقوع پذیر ہوئے مجھے اس کی تفصیل زیادہ نہ معلوم ہو سکی۔ اور جو کچھ معلوم ہیں بھی ان میں ظاہرا سخت تعارض ہے۔ حتیٰ کہ علامہ قرطبی کو مجبور ہو کر لکھنا پڑا۔

وفی التطبیق بین الروایتین تکلف شدید[1] دونوں روایتوں میں تطبیق دینے میں سخت تکلف ہے۔

حافظ ابن حجر کے مشورہ سے یا روایات کے تتبع سے جس نتیجہ تک میں پہنچا ہوں اس کی ترتیب درج ذیل ہے۔

**پہلا واقعہ** یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اس حادثہ کے بعد بھی، حرم محترم کو نہیں چھوڑا۔ جو دھن تھی وہ بندھی رہی ایسا معلوم ہوتا ہے

---

[1] فتح الباری جز ۲۵ مطبوعہ انصاری ص۴۴۰ - ۱۲

انھیں دنوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ادھر گذر ہوا۔ گرچہ آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ لیکن قیمت کی بہتری میں اس وقت میں کیا کلام ہو سکتا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک طرف ایک شکستہ حال مسافر پڑا ہوا ہے۔ آپ کو رحم آیا۔ قریب آکر دریافت فرمایا۔

ممن الرجل — کہاں کے آدمی ہو۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا

من غفار — قبیلۂ غفار سے ہوں

فرمایا۔ کہ

قم الی منزلک — اپنی فرودگاہ کو تشریف لے چلیے

مقصود یہ تھا کہ میرے گھر چلیں۔ مسجد میں تکلیف ہوگی۔

حضرت ابوذرؓ چونکہ دھوکا اٹھا چکے تھے۔ اظہار مدعا تو مناسب نہ جانا۔ اُٹھے اور چپ چاپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ گھر تک پہنچے خود فرماتے ہیں کہ نہ انھوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے کچھ کہا۔"

صبح ہوئی اور سیدھے حرم پہنچے۔ اپنی زنبیل اور مشک رکھ کر مکہ کے کوچہ و بازار میں، شام تک مصروف جستجو رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مغرب کے بعد پھر حضرت مرتضیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ دیکھا! کہ مسافر اب تک موجود ہے۔

آپ نے پھر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اما ان للرجل ان یعرف منزلہ | کیا آدمی کے لئے اپنی فرودگاہ تک جانے کا وقت نہیں آیا۔ |

آپ اُٹھے اور بجنسہٖ اسی خاموشی کے ساتھ آج کی رات بھی گذر گئی۔ ایک دوسرے کو کیا معلوم کہ دونوں ایک ہی فتراک کے نخچیر ہیں۔

حضرت ابوذرؓ پھر صبح ہوتے ہی حرم میں آدھمکے اور دن بھر گھومتے رہے، لیکن قسمت چلا رہی تھی کہ " جا! اور وہیں حرم میں بیٹھ دیکھ! کہ پھر کیا ہوتا ہے؟"

**دوسرا واقعہ**

قیاس کا مقتضی ہے کہ آج کسی خاص ضرورت نے حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کو حرم بادولت بیدار کی طرف آنے کی فرصت نہ دی۔ حضرت ابوذرؓ

نے انتظار کیا ہوگا، لیکن جب مایوس ہوئے تو وہیں کہیں پڑ رہے۔ سونے کے ارادہ سے لیٹے مگر نیند نہیں آتی تھی! بے چین آج زیادہ تھے حتیٰ کہ جب رات بھیگ گئی اور شہر میں سناٹا ہوگیا، لوگ پڑ کر سو رہے، اس وقت رحمتِ سماویہ جھکی، اور حضرت ابوذرؓ کے ٹوٹے ہوئے دل کو جو واقع میں نہیں ٹوٹا تھا اس نے اپنے آغوش میں اُٹھالیا مسافروں کے ہنگامہ آہ و بکا بچوں کی نالہ وزاری نے جس بنداری کو غفار کی سڑک پر پیدا کرکے، حضرت ابوذرؓ کی تمامتر غارت گریوں کو، کاروانوں سے پھیر کر خود ان کی آسائش و لذائذ، ارمان و خواہشات کے قافلوں کی طرف متوجہ کردیا تھا۔ خدا جانے کتنی دراز مدت کے بعد اس کی خبر آج نکلتی ہے، اس رات کے منظر کو خود آپ ہی کی زبانی سننا چاہیے۔ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| فبینما اهل مکة فی | چاندنی رات خوب روشن تھی |
| لیلة قمراء اضحیان اذ | (اہل مکہ اپنے کاموں میں مصروف |
| ضرب الله اصمختهم | تھے)، کہ یکایک خداوند تعالیٰ |
| فما یطوف بالبیت احد | کی زبردست قدرت نے |

تھپکیاں دے کر انھیں سُلا دیا منھم غیرِ امرأتین۔

(سناٹا سا ہو گیا تھا) حتیٰ کہ (صحیح مسلم وطبقات)

بیت اللہ کے طواف کرنے والوں

میں بھی اس وقت دو عورتوں

کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

یہ عورتیں کعبہ کے گرد گھوم گھوم کر "اسافؓ و نائلہ" سے

---

لہ "اساف و نائلہ" جاہلیت کے دو مشہور بت ہیں، مشہور تھا کہ دراصل یہ دونوں پہلے آدمی تھے، اساف مرد تھا، اور نائلہ عورت تھی۔ دونوں قبیلہ جرہم سے تعلق رکھتے تھے۔ یمن ان کا وطن تھا کہا جاتا ہے کہ اساف نائلہ کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ نائلہ نے بھی جب اس کے حُسن و جمال کو دیکھا تو دل دے بیٹھی۔ صورتِ حال دونوں کو یمن میں ملنے سے مانع تھی۔ آخر مکہ معظمہ حج کے حیلہ سے آئے۔ جاہل عربوں کا عہد تھا کہ ایک دن دونوں کو حرم میں تنہائی مل گئی اور وہیں امر شنیع کے مرتکب ہوئے۔ اس پر خدا کا غضب نازل ہوا دونوں پتھر کے ہو گئے۔ عبرت کے لئے لوگوں نے نے ایک کو صفا پہاڑ پر اور دوسرے کو مروہ پہاڑ پر رکھ دیا تھا۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

مانگ رہی تھیں خدا جانے حضرت ابوذرؓ کو کیا سوجھی، کہ جس کونے میں پڑے ہوئے تھے وہیں سے آواز دی۔

انکحا احدھما الاخر ایک کا دوسرے سے نکاح کردو۔

مقصد یہ تھا کہ ارے ان بتوں سے کیا مانگتی ہو۔ بزعم تم لوگوں کے وہ خود فراق میں تڑپ رہے ہیں۔ ہاں اگر دونوں کو بیاہ دو گے، تو ممکن ہے کہ تمھاری سنیں۔

اس طنز آمیز آواز کو خاص کعبہ سے سنتے ہی یکایک وہ ضرور رکیں چوکیں مگر یا "اساف یا نائلہ" کی آواز بلند ہوتی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عمر بن لحی خزاعی نے جب عرب میں بُت پرستی پھیلائی تو خاص کر ان دونوں کو اُس نے بہت اہمیت دی۔ قصی نے اپنے زمانہ میں ان کو پہاڑوں سے اُتار کر ایک کو کعبہ سے لگا دیا اور دوسرے کو چاہ زمزم پر نصب کر دیا تھا۔ زمانے سے عرب جاہل ان کی پرستش کرتے تھے آخر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان سے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ ممکن ہے کہ عربوں کے اس بیہودہ فسانہ پر تعجب ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بُت پرستوں کے ہاں یہ باتیں عام ہوتی ہیں۔

ہی رہی۔ آخر جب طواف کرتے کرتے حضرت ابوذرؓ کے قریب پہنچیں فوراً اپنی آنکھیں بند کرلیں اور وہ انھیں سویا ہوا دیکھ کر اور کچھ اس ڈور سے بھی کہ مرد ہے اگر چھیڑتی ہوں تو ممکن ہے کہ بری طرح خبر لے۔ حرف گالیاں دیتیں اور۔

لو کان ھھنا من انفارنا احد — کاش میری جماعت کا کوئی آدمی یہاں ہوتا تو اس کی خبر لیتا۔

بڑبڑاتی ہوئی روانہ ہو گئیں۔ دونوں آپس میں یہی ذکر کرتی ہوئیں ایک پہاڑی پر چڑھیں۔ اس سے اُتر رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ حرم کی طرف تشریف لا رہے تھے یہ عورتیں کسی کو نہیں پہچانتی تھیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش اقدس تک اُن کی گفتگو کے چند سخت الفاظ پہنچ چکے تھے آپ نے بڑھ کر دریافت فرمایا۔

مالکما — تم دونوں کا کیا حال ہے (کیا واقعہ ہوا)

عورتیں کیا کہوں صابی[1] کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان پڑا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا پھر اُس نے کیا کہا۔

عورتیں۔ کیا کہا، زبان تک لانے کی بات ہے۔ بس بُری بات بک رہا ہے۔

اس گفتگو کے بعد وہ تو گھر کی طرف روانہ ہوئیں آپؐ اور یہ دونوں کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

حضرت ابوذرؓ کی نیند عورتوں کی اس ظرافت سے اور بھی اُچٹ گئی تھی۔ چُپ چاپ ایک گوشے میں منتظر تھے کہ دیکھیں یہ عورتیں کیا گل کھلاتی ہیں، کہ یکایک سامنے سے دو جسم متحرک نظر آئے۔ حضرت ابوذرؓ کی نگاہ جم گئی، پھر مجھے نہیں معلوم کہ کب تک جمی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ طواف بھی کیا۔ حجر اسود کو بوسے بھی دیئے نمازیں بھی پڑھیں۔ لیکن کچھ خبر نہیں کہ اس وقت ابوذر کی ششدر

---

[1] کفار قریش مسلمانوں کو اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے۔ یعنی دین حق سے پھرا ہوا۔ ۱۲

وحیران آنکھوں نے کیا دیکھا، دماغ نے کیا سمجھا البتہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو نیاز و عقیدت کا ایک پیکرِ مجسم سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

السلام علیک یا رسول اللہ۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ فرما کر پوچھا۔

ممن انت — تم کس قبیلے کے آدمی ہو؟

حضرت ابوذرؓ۔

من غفار — یعنی قبیلہ غفار سے ہوں۔

یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پکڑ لیا۔

فاھوی بیدہ الیٰ جبھتہ — آپ نے اپنے ہاتھ کو پیشانی کی طرف جھکایا

رائیں مختلف ہیں۔ کہ آپؐ نے ایسا کیوں کیا۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس انتساب کو ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ خود حضرت ابوذرؓ سے اس کی شرح میں مروی ہے۔

قلت فی نفسی کرہ انی — میں نے اپنے دل میں کہا کہ

| | |
|---|---|
| انتسبتُ الیٰ غفار (طبقات) | شاید غفار کی طرف میرے انتساب کو آپ نے ناپسند فرمایا۔ |

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ سُن کر متعجب ہوئے اور یہ فعل محض اظہار تعجب کے لئے تھا۔ طبقات کی ایک دوسری روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| عجب النبی صلی اللہ علیہ انھم یقطعون الطریق فجعل النبی صلعم یرفع بصرہ فیہ ویصوبہ تعجبا من ذٰلک لما کان یعلم منھم[1] ص۱۶۴ ج ۴ طبقات۔ | آپ کو تعجب ہوا کہ غفار تو راہزنی کرتے ہیں (ان میں ایسا شخص کیونکر پیدا ہو سکتا ہے) اس کے بعد آپ نے پھر متعجب ہو کر اپنی نگاہ ان پر ڈالی اور کبھی جُھک کر دیکھتے کیونکہ غفاریوں کے حالات سے واقف تھے[1] |

اس صورت میں جملہ۔

---

[1] طبقات میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا ان اللہ یھدی من یشآء خدا جس کو چاہے ہدایت کرے ۱۲۔

فاھوی بیدہ الی جبھتہ — دست مبارک کو اپنی پیشانی پر رکھ کر

سے یہ مقصود ہوگا کہ آپ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے بغور ان کو دیکھنے لگے واللہ اعلم، ایک صاحبِ دل کا خیال ہے کہ حضورؐ نے نظرِ اول ہی میں آپ کو پہچان لیا تھا، لیکن حسرت کی نگاہ سے دیکھا کہ ابھی مراحلِ سلوک میں اس غفاری فرہاد کو شبِ ہجر کا ایک بے ستون کانٹا اور بھی باقی ہے، واللہ اعلم، اور کچھ یونہی ہوا بھی کہ اس رات میں "اسلام" و "ایمان" کا کوئی ذکر نہیں آیا، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصداً یہ معاملہ ٹال دیا گیا۔ طبقات میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے کہ دستِ مبارک پر کلمہ پڑھیں، لیکن حضرت صدیقؓ نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، خود ان کا بیان ہے۔

فذھبت اخذ بیدہ فقدعنی صاحبہ وکان اعلم بہ منی (ص ۱۶۲ ج ۴) — میں چلا کہ حضورؐ کا دستِ مبارک پکڑ لوں، لیکن ان کے ساتھی نے مجھے روک لیا، وہ بہ نسبت میرے حضورؐ کی طبیعت سے زیادہ واقف تھے۔

بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ ابھی تک اُن سے مطمئن نہ تھے، اس لئے ایسا کیا۔ لیکن کسی اور پہلو کو

پیشِ نظر رکھ کر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِشارے سے ایسا کیا گیا کہ طے منازل کی ایک سیڑھی یہ بھی تھی، تو کیا مضائقہ ہے۔

## حضرت ابو بکرؓ کی ضیافت

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا تم یہاں کب[1] سے ہو؟ آپ نے فرمایا، تقریباً تیس راتیں یہاں گذر گئیں۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ تمہیں کھلاتا کون تھا؟

چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے یہاں صرف سونے کے لئے کچھ رات گزرتے ہوئے دو دن سے جایا کرتے تھے اور آپس میں کسی قسم کی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے یہاں کھانے کی مہمان داری نہیں ہوئی تھی، بہرکیف حضرتِ ابو ذرؓ نے جواب میں فرمایا کہ ایک زمانے سے میری گزر صرف زمزم کے پانی پر رہے اور اس پانی کی ایک عجیب خاصیت

---

[1] صاحبِ دل کا خیال ہے کہ یہ کیوں نہیں پوچھا کہ یہاں کس لئے آئے ہو؟ یہ کہا کہ کب سے ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مقصد کو اس وقت درمیان میں لانا ہی منظور نہیں

ورنہ در مجلس رنداں خبری نیست کہ نیست

بیان کی، فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| فسمنت حتی تکسرت عکن | میں موٹا ہو گیا حتیٰ کہ پیٹ کی شکن |
| بطنی فما وجدت علی | لٹک گئی (زیادہ فربہی میں ایسا |
| کبدی سخفة جوع۔ | ہو جاتا ہے) حتیٰ کہ اپنے جگر پر میں بھوک |
| (مسلم) | کے ضعف کا کوئی اثر نہیں پاتا تھا۔ |

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| انها مبارکة انّها | اس میں برکت دی گئی ہے اور |
| طعام طعم | سیر کرنے والی غذا ہے۔ |

حضرت صدیق رضؓ نے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج کی رات انہیں اپنا مہمان بناؤں"! آپؐ نے اجازت دے دی حضرت صدیقؓ اُن کو ساتھ لیئے ہوئے گھر لائے، دروازہ کھولا۔ اور طائف کی کچھ کشمشیں اُن کے حوالے کیں حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا کھانا تھا جو حضرت ابو بکرؓ کے گھر میں مجھے نصیب ہوا[1]

**اسلام لانا** ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح ہوتے ہی پھر حرم میں آگئے، جب رات ہوئی تو آج حضرت علی

---

[1] صحیح مسلم ۱۲

کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ لے کر گھر پہنچے مگر یہ اسی طرح ساکت وصامت ہیں۔ آخر حضرت علیؓ سے نہ رہا گیا اور فرمایا۔

ما الذی اقدمک[1] — آخر تم کو کیا چیز یہاں لائی، کس ضرورت سے آئے ہو؟

گزشتہ رات باوجود اور سب کچھ ہو جانے کے چونکہ ان کے لئے کچھ نہیں ہوا تھا اس لئے دل بھرا ہوا تھا، پیمانۂ صبر چھلک پڑا بولے کہ اگر عہد کرتے ہو تو میں بتاؤں۔" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عہد کیا آپ نے کہا "اگر تم میری رہنمائی کر سکو[1]"، جب کہوں گا۔ انہوں نے حتی الوسع اس کا بھی وعدہ کیا۔ آپ نے فرمایا، کہ "میں نے سنا تھا کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ یہ سن کر میں نے اپنے بھائی کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ لیکن اس نے کچھ تشفی بخش خبر مجھے نہیں سنائی۔ آخر میں خود اس شخص سے ملنے کے لئے آیا ہوں[2]۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باچھیں کھل گئیں خدا جانے کیا کیا کہا[3] تاہم بخاری میں اس قدر موجود ہے۔

---

[1] از بخاری ۱۲ [2] طبقات ابن سعد ص ۱۶۵ ج ۱۲

[3] طبقات کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رشتۂ عقیدت کو ظاہر کیا۔ ۱۲

قال فانه حق وهو رسول الله
فاذا اصبحت فاتبعني فاني
ان رأيت شيئاً اخاف
عليك قمت كاني اريق
الماء فان مضيت فاتبعني
حتى تدخل مدخلي۔

(بخاری)

یہ بالکل سچ ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں
جب صبح ہو تو تم میرے ساتھ چلو راستے
میں اگر ایسا واقعہ نظر آئے (مثلاً کوئی
کافر سامنے آجائے) کہ جس میں مجھے خطرہ
معلوم ہو تو میں بیٹھ جاؤں گا گویا پیشاب
کر رہا ہوں (تم چلے چلنا) پھر جدھر میں
جاؤں چلے جانا، حتیٰ کہ جہاں داخل
ہو جاؤں تم بھی وہاں آجانا۔

صبح ہوئی دونوں ساتھ چلے، آگے آگے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پیچھے پیچھے ان کے حضرت ابوذرؓ اس آستانے کی طرف جا رہے تھے، جس کی غلامی کاتب ازل نے ان کی پیشانی میں لکھ دی تھی۔ راستہ میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، حتیٰ کہ وہ دروازہ سامنے آگیا۔ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں داخل ہو گئے۔[1] ایک چبوترے پر سرورِ کائنات[2] صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طلعتِ قدوسی پر ایک چادر ڈالے ہوئے آرام فرما رہے تھے، حضرت علیؓ نے اشارہ کیا، آپ بے تابانہ دوڑ پڑے، اور سلام

---

[1] بخاری ۱۲ [2] طبقات ۱۲

عرض کیا، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی فرمایا وعلیکم السلام، حضرت ابوذرؓ رات کے واقعہ سے متاثر ہو چکے تھے جانتے تھے کہ کہیں معاملہ پھر نہ ٹل جائے، قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ "آپؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ مجھے سنائیے"[1] آپ نے فرمایا، میں نہیں کہتا خدا فرماتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تو وہی سنائیے!

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک سورۃ (نام پر اطلاع نہ ہو سکی) تلاوت فرمائی۔ اِدھر سورۃ ختم ہوئی اور اُدھر حضرت ابوذرؓ نے

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

کے ساتھ ایک چیخ ماری اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ نہ دلیل تھی اور نہ حجت، صرف حضرت ابوذرؓ کی مشکوٰۃ سینہ میں ایک قندیل تھی جس کے اندر ایک سماوی روغن بھرا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ بھبک اُٹھے، آخر بھڑ کا کہ پھر کبھی نہ بجھا، اور اس طرح مسلمانوں کے اندر جن کی تعداد کرۂ زمین پر کل چار تھی[2] ایک کا اور اضافہ ہو گیا۔

---

[1] طبقات ۱۲ [2] طبقات ۱۲

تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے اسلام کی خوش خبری دی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو غور کیا تو پہچان کر فرمایا۔

الیس ضیفی بالامس — کیا وہی شخص نہیں ہے جو کل میرے مہمان تھے۔

اور جُھک کر فرمایا۔

انطلق معی — میرے ساتھ چلئے!

ایک زمانہ گزر چکا تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے اپنا گھر چھوڑا تھا، کپڑے بالکل میلے ہو گئے تھے، اس وقت حضرت صدیقؓ نے دو کپڑے رنگین وخوبصورت نکال کر دیئے۔ آپ نے غسل کیا کپڑے بدلے اور جب تک مکہ معظمہ میں آپ کا قیام رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر مقیم رہے۔

## حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں قیام کا زمانہ

آثار و روایات میں اس کی تصریح تو نہیں ملی کہ آپ کب تک حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت خانہ پر فروکش رہے، لیکن قرائن اور بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عموماً اس عرصہ میں مکہ والوں سے آپ کی ملاقات ہو چکی تھی۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا

کہ آپ قبیلۂ غفّار کے کوئی ممتاز آدمی ہیں، مثلاً ایک واقعہ بھی ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حالانکہ اس زمانہ میں مشرف باسلام نہ تھے) آپ کو جانتے تھے، کفار کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔

| | |
|---|---|
| الستم تعلمون انه من | کیا تم نہیں جانتے ہو کہ وہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے |
| غفّار طریق تجارکم الی الشام | جو تمہارے شام کے تاجروں کا راستہ ہے |

بہرکیف اگر تمام قریش سے آپ کی شناسائی نہیں ہوئی تھی تو خاندان عبد المطلب میں لوگ آپ کو ضرور جاننے لگے تھے۔ آپ کی زیادہ شہرت کی وجہ میرے نزدیک دراصل وہ واقعہ ہے جس کے راوی صرف محمد بن سعد صاحبِ طبقات ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے غفاری ہونے کا علم حضرت عباس رضؓ کو بھی اسی کے بعد ہوا ہو۔ وہ راوی ہیں کہ جن ایام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہمان تھے، اسی زمانہ میں آپ سیر کرتے ہوئے حرم میں آئے دیکھا کہ پھر ایک عورت طواف کر رہی ہے اور گھوم کر بہنایت فصاحت وبلاغت وعاجزی وخاکساری کے ساتھ دعائیں کر رہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دعا ابھی تک مبہم تھی اس کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس کو مخاطب کر کے مانگ رہی ہے۔ حرم چوں کہ

بیت اللہ تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا ہو گا کہ خدا کو پکار رہی ہے اور اس پر خوش ہوئے ہوں گے، لیکن جب ختم کر چکی، تو اس کے بعد پھر وہی

یا اساف یا نائلہ اے اساف اے نائلہ

چیخنے لگی۔ آپ سُنتے ہی جھلا اُٹھے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے وہی جملہ

انکحی احدھما صاحبہ، ایک کا دوسرے سے نکاح کر دے۔

نکل پڑا۔ چونکہ دن کا وقت تھا۔ عورت بلا خوف و شور مچاتی ہوئی آپ کے ساتھ لپٹ پڑی اور چلانا شروع کیا۔

اَنتَ صَابیٔ تو صابی ہے۔

کفار قریش کی ایک جماعت وہیں موجود تھی انت صابی کی آواز سُنتے ہی حسب عادت دوڑ پڑے، اور جس طرح پہلے مارا تھا، مارنا شروع کیا اتفاق سے بنی بکر کے قبیلہ میں اس کی خبر پہنچی کہ قریش ایک بیکس مسافر کو بُری طرح مار رہے ہیں۔ چونکہ اِن دونوں قبیلوں میں ایک زمانے سے رقیبانہ تعلق تھا، فوراً کچھ جوان آئے۔ حرم پہنچے اور نہایت حقارت کے ساتھ قریش کو ڈانٹا کہ واہ! تمہارے قبیلہ میں جو "صابی" ہیں ان کو تو نہیں مارتے ایک بے چارہ مسافر آگیا بس سارا

نزلہ اسی کی طرف رجوع ہو گیا، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، یہ کہتے ہوئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور ان ظالموں سے نجات دلائی۔ آپ اسی صورت وحالت کے ساتھ دربار نبوی صلی اللہ علی صاحبہا میں حاضر ہوئے اور فرمایا۔

| | |
|---|---|
| یارسول اللہ اما قریش | یارسول اللہ قریش سے جب تک |
| فلا ادعهم حتی اثار | بدلہ نہیں لوں گا، انہیں نہیں چھوڑ سکتا |
| منهم ضربونی | اُنہوں نے مجھے مارا ہے۔ |

## اِسلام کی دعوت پر سَرفرازی!

مکہ معظمہ میں اُس وقت مسلمانوں کی کل تعداد پانچ تھی، جن میں پانچویں حضرت ابوذرؓ تھے ایسے ضعف کے وقت میں آپ کی بہادرانہ شجاعت، مردانہ ہمت کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے، اُسی وقت خیال گزرا کہ جس عام "تبلیغ" کا ارادہ کیا گیا ہے اس کا وقت آپہنچا ہے، اسی کے بعد سب سے پہلے پہل اسلام میں جس عمامہ پر اس جلیل عہدہ کا طرہ نصب کیا گیا۔ وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بندھا ہوا تھا۔

آپ نے فرمایا

| | |
|---|---|
| انی وجہت الی ارض | میں کھجوروں والی زمین کی طرف متوجہ |
| ذات نخل ولا احسبھا | کیا گیا ہوں اور میں اسے مدینہ کے علاوہ |
| الا یثرب فھل انت | اور کسی شہر کو خیال نہیں کرتا تو کیا تم اپنی |
| مبلّغ عنی قومک | قوم کو میری جانب سے تبلیغ کر سکتے ہو۔ |
| عسی اللہ ان ینفعھم | ممکن ہے انہیں خدا تم سے نفع پہنچائے |
| بک ویأجرک فیھم | اور تمہیں اجر دے۔ |

جس آستانے پر اتنی تگ ودو کے بعد پہنچے تھے، انصاف کر سکتے ہو کہ اس کی دوری ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا ہو سکتی تھی، لیکن کیا کرتے جب کہ

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست
کفرست دریں مذہب خود بینی وخود رائی

آخر یہی ہوا کہ آپ دعوت و تبلیغ کے لئے آمادہ ہو گئے، لیکن پھر بھی دبی ہوئی زبان سے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اِنی منصرف الی اھلی و | (اچھا) میں اپنے گھر جاتا ہوں (مگر) منتظر |
| ناظر متی یوم بالقتال | کرتا رہوں گا کہ جنگ کا کب حکم دیا جاتا ہے |
| فالحق بک | پس اسی وقت آپ سے ملوں گا۔ |

مقصود یہ تھا کہ فراق کی گھڑیوں کو کسی خاص زمانہ تک محدود

کر دیا جائے، کم از کم اسی اُمید پر جیوں گا۔ اس کے بعد یکایک آپ کو خیال گزرا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کی ایذاؤں کو دیکھ کر میرے لئے یہ حکم تو صادر نہیں فرمایا۔ کہ اس ترکیب سے مکہ معظمہ کو چھوڑ دو گا۔ معاً اس خیال کے آتے ہی تجاہلِ عارفانہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

فانی اری قومک علیک جمیعاً — اور آپؐ کی قوم چونکہ متفق ہو کر آپ کے درپئے ایذا ہے اس لئے بھی میرا جانا ہی مناسب ہے

اور واقعہ بھی یہی تھا، کہ جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روانہ کرنے سے تبلیغ وارشاد کا کام لینا منظور تھا، ساتھ ہی یہ بھی مدنظر تھا، کہ ابوذرؓ ایک سخت آدمی ہیں، خواہ مخواہ اسی طرح دشمنانِ اسلام کے ہاتھ ان کو تکلیف اُٹھانا پڑے گی، جس کی چند نظیریں گذر چکی تھیں۔ ان کے اس سوال کو سُن کر ارشاد فرمایا۔

اصبت — سچ کہتے ہو (یعنی مجھے یہ فائدہ بھی مقصود ہے)

یہ سُنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگِ حمیت پھڑک اُٹھی، غیرت کا خون پیشانی پر جوش مارنے لگا۔ کفارِ قریش پر آگ ہو گئے جوش وخروش میں اس وقت آپ کے یہ الفاظ تھے۔

لا ارجع حتیٰ اصرخ — میں نہیں جا سکتا جبتک (کلمہ) اسلام

بِالإسلام فی المسجد۔ کے ساتھ مسجد حرم میں جاکر نہ چیخوں۔

حتیٰ کہ غیظ میں آکر قسم کھا بیٹھے، بخاری کا جملہ ہے

والذی نفسی بیدہٖ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری

لَاَصرخَنَّ بہا بین جان ہے کہ ان کافروں کے درمیان

ظہرانیہم میں جاکر چیخوں گا۔

یہ کہتے ہوئے سیدھے مسجد حرام میں داخل ہوئے، قریش کا مجمع موجود تھا۔ ٹھیک ان کے درمیان گھس کر نہایت اونچی آواز میں

اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی

وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ معبود نہیں اور محمدؐ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

کا نعرہ بلند کیا۔ قریش میں اس کے سُننے کی کب تاب تھی۔ صبوت، صبوت کہتے ہوئے اُن پر جُھک پڑے اور جی کھول کر مارنا شروع کیا۔ مگر ان کی زبان پر بدستور کلمۂ شہادت جاری تھا۔ لات، گھونسے ڈھیلے، لکڑیاں پڑ رہی تھیں۔ لیکن کوئی پرواہ نہیں کر یہاں صرف دکھانا ہی یہی تھا کہ قریشیوں کے ان زنانہ حرکات سے ابوذرؓ کا دل کبھی نہیں کانپ سکتا۔ ہر بُن مُو کی زبانِ حال سے آواز آرہی تھی۔

کن رہا تیرِ کہ دارم ذوق پیکانے دگر

خدا جانے اِس مار پیٹ کا سلسلہ کب تک جاری رہا، مگر حُسنِ اتفاق سے حضرتِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر گذر ہوا، آپ نے قریش کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"ارے کیا کرتے ہو، انہیں پہچانتے ہو؟ یہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے جدھر سے تمہارے شامی تاجروں کا راستہ ہے۔"

چونکہ حضرت عباسؓ قبیلہ کے مقتدر لوگوں میں سے تھے۔ مکّہ والے آپ کا خیال کرتے تھے لوگوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اُٹھے، خوش تھے کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شک کا جواب میں نے عملاً دے دیا ہے، مگر پھر بھی دل کی تسلّی نہیں ہوتی تھی۔ بُخاری میں ہے کہ دوسرے دن اسی طرح پھر حرم پہنچے اور کلمۂ شہادت کو باوازِ بلند پڑھنا شروع کیا۔ قریش اس وقت حضرت عباسؓ کے خیال سے باز آئے تھے۔ آج پھر وہی معاملہ دیکھ کر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔ حضرت عباسؓ کو خدشہ لگا ہوا تھا، آئے تو کل ہی کا واقعہ پیشِ نظر تھا۔ پھر آپ نے لوگوں کو سمجھا کر فرمایا کہ

"کیا تمہارا ارادہ ہے کہ قریش کے قافلے لوٹ لیے جائیں؟ آخر کیا کرتے ہو؟"

بدستورِ سابق آپ کو دیکھ کر کفار رُک گئے۔

بہر کیف جب حضرت ابوذرؓ نے اچھی طرح عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن اقدس پر ثابت کر دیا کہ ابوذر اس لئے نہیں جاتا کہ وہ مکہ والوں کے مظالم سے ڈر گیا ہے، بلکہ صرف اس لئے اس آستانے کو چھوڑتا ہے، جس کا چھوڑنا اُسے کسی طرح منظور نہیں کہ حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل، اور خدا کے دین کی اشاعت و نشر کے اہم فریضہ کی انجام دہی اس کا مطمحِ نظر ہے۔

اس کے بعد آپ مکّے سے بصد حسرت و یاس رخصت ہوئے

## مکّہ معظمہ سے روانگی اور دعوت کی ابتداء

میں نے بہت تلاش کیا کہ دیار یار سے الگ ہونے والے مسافر کا حال اس وقت کیا تھا، لیکن آثار و کتب سے مایوسانہ جواب ملا، بچھڑنے والے اپنے دل پر ہاتھ رکھیں، اور جو کچھ آج سے تیرہ سو برس بیشتر مکہ کی کسی وادی میں ایک گھائل دل پر گزر رہا تھا، اس کا اندازہ کریں، چلے جاتے تھے اور تبلیغ کا خیال ساتھ تھا۔ جس مقام پر آپ کے بھائی اور والدہ فروکش تھیں پہنچے۔ حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتظر تھے نہایت گرم جوشی سے ملے اور پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟

بولے اور کیا اسلام لے آیا، اسلام کی صداقت مسلمان ہو گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، حضرت انیس رضی اللہ عنہ کے دل میں

بھی وہ نورِ مکہ ہی میں چمک چکا تھا' دیا ئے بیٹھے تھے' یہ سُنتے ہی فرمایا

| | |
|---|---|
| مالی رغبۃ عن دینک | مجھے آپ کے دین سے انکار نہیں اور |
| فانی قد اسلمت وصدقت | میں بھی مسلمان ہوا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) تصدیق کی۔ |

حضرت ابوذرؓ کے تبلیغی مہم کی یہ پہلی کامیابی تھی۔ جو کچھ مسرّت ہوئی ہوگی وہ ان کا دل جانتا تھا' یا وہ جان سکتے ہیں جنھوں نے کبھی کسی بھٹکے ہوئے گمراہ انسان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کی ہو اور کامیاب ہوئے ہوں' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے حضرت انیسؓ کے سامنے اس عہدہ کا بھی ذکر کیا جو آپ کو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا کیا گیا تھا' اور ان کو بھی اس میں شریک کیا۔ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد

| | |
|---|---|
| فاتینا اُمّنا | ہم دونوں بھائی مل کر والدہ کے پاس آئے |

اور اسلام پیش کیا۔ آپ کی والدہ نے سعادت مند بیٹوں کو مسلمان دیکھ کر فرمایا' مجھے بھی اس دین سے کوئی نفرت نہیں (دیکھو) میں مسلمان ہوئی اور جن چیزوں کی تم دونوں نے تصدیق کی' میں بھی اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

| | |
|---|---|
| وانذر عشیرتک الاقربین | اپنے قبیلہ کے قریب لوگوں کو خدا سے ڈراؤ |

کا پہلا فرض گویا پورا ہو گیا۔ دونوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ قریش مجھ پر بہت ظلم کر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں انہوں نے مجھے بہت ستایا ہے، مجھے عقلاً اور قانوناً حق پہنچتا ہے کہ ان سے انتقام لوں، اور انشاء اللہ اسی انتقام کے ذریعے سے مقصد میں بھی کامیابی ہو گی۔

### عسفان کی گھاٹیوں میں جا کر چھپنا

رائے اس پر مستقر ہو گئی۔ والدہ اور بھائی کے ساتھ آپ عسفان کی ایک گھاٹی[۱] (جو تجار قریش کے راستے میں واقع تھی) میں جا کر ٹھہر گئے، اور معمول کر لیا کہ اس راہ سے جو قافلہ کفار قریش کا گزرے گا اسے لوٹ لیتے، جب ان پر قبضہ ہو جاتا تو اس کے بعد فرماتے، اگر تم خدا تعالیٰ کی یکتائی پر گواہی دیتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتے ہو، تو سارا مال ابھی واپس کر دیا جائے گا اور اگر انکار کرو گے تو یاد رکھو ایک حبہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

---

[۱] طبقات صحیح مسلم میں اس گھاٹی کا نام ثنیۃ غزال بتایا گیا ہے ۱۲

قریش آپس میں مشورہ کرتے کہ وہی ابوذرؓ (جو مکہ میں عام طور سے مشہور رہے اور اس پر وہاں بہت ظلم ہوئے ہیں) ایسا کہتا ہے کیا کرنا چاہیئے۔

بعض ایمان لے آتے تھے اور بعض کفر ہی پر قائم رہتے۔ جو مسلمان ہو جاتا تھا' آپ اس کا سارا مال دانہ دانہ' رتی رتی کر کے واپس فرما دیتے، جو انکار کرتا تھا' اُسے بہ یک بینی و دو گوش روانہ کر دیتے۔

جو لوگ یہاں مسلمان ہوتے تھے، مکہ معظمہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے اور اس طرح روز بروز اسلام کی تعداد میں ایک اور اضافہ کی صورت نکل آئی۔ حضرت ابوذرؓ جس کام پر مامور کیئے گئے تھے' خدا کے فضل سے اس میں غیر متوقع کامیابی ہو رہی تھی۔ اس واقعہ میں سب سے زیادہ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اگر حضرت ابوذرؓ کے ہاتھ پر ایمان لانے والے محض مال کی طمع سے مسلمان ہوتے تھے تو ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ مکہ میں جا کر پھر جاتے' لیکن تاریخ اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کرتی۔ جو مسلمان ہوتا تھا' بس ہمیشہ کے لئے ہوتا تھا کہ حق و صداقت کی روشنی دلوں میں خواہ کسی وسیلے سے بھی ہو جب صحیح طور پر اُتر جاتی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ پھر وہ بہت مشکل

سے بجھتی ہے۔

الغرض عسفان کی گھاٹیوں میں، آپ ایک زمانہ تک نہایت دلیری کے ساتھ اسلام کی اس اہم خدمت کو انجام دیتے رہے باوجودیکہ یہ کُل تین آدمی تھے اور اس میں بھی تیسری آپ کی والدہ ایک بوڑھی عورت تھیں لیکن منقول نہیں کہ آپ کو کبھی کفارِ مکہ سے عسفان میں کوئی گزند پہنچا۔ کہ منصبِ تبلیغ پر پہنچنے والوں کے لئے۔

| | |
|---|---|
| وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ | خدا تمہیں آدمیوں کی شرارت سے محفوظ رکھے گا۔ |

کا وعدۂ یزدانی موجود ہے۔

## وطن کی طرف مراجعت

ٹھیک ٹھیک میں نہیں بتا سکتا کہ حضرت ابوذرؓ عسفان میں کب تک رہے، لیکن مسند احمد حنبل کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے غفار میں پہنچ چکے تھے[1]، عجیب بات ہے کہ جن غفاریوں نے آپ کو محض خام توحید کی بنا پر اس درجہ رنج پہنچایا تھا کہ آپ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے تھے، آج حق وصداقت

---

[1] مسند امام احمد ص ۱۷۵ ج ۵-۱۲

کی کشش و رعب کو دیکھو کہ بغیر کسی مادّی کدوکاوش کے بعض تو پہلی ہی تبلیغ میں ایمان لے آئے اور بعضوں نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ تشریف لے آئیں گے۔ تو ہم لوگ اس وقت پورے مسلمان ہو جائیں گے۔[1]

قریب ہی آپ کے حلیف اسلم کا قبیلہ آباد تھا، وہاں بھی آپ پہنچے، اور جو کچھ اپنے دل میں لگا کر لائے تھے، دوسروں میں بھی اسی کو لگانا شروع کردیا، چونکہ روز بروز کامیابی ہو رہی تھی اس لئے آپ کو اُس سے ازحد دلچسپی ہو گئی۔ اخیر میں ان کا شغف اس درجہ ترقی پذیر ہوا کہ آپ اس وعدہ کو بھی پورا نہ کر سکے، جسے چلتے وقت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ یعنی میں دیکھتا رہوں گا۔ کہ آپ کو جنگ کی اجازت کب ملتی ہے؟ جب مل جائے گی فوراً حضور سے آملوں گا۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا بھی حکم ہوا۔ بدر و اُحد جیسی مشہور لڑائیاں بھی گزر گئیں، لیکن حضرت ابوذر رضہ کو اپنے کام سے فرصت نہ مل سکی۔ اخیر میں جب کفارِ عرب دس ہزار جرار لشکر

---

[1] مسند امام احمد ص۱۷۵ ج ۵ - ۱۲ [2] ص۱۶۳ ج ۴ - ۱۲

کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور خندق کی وجہ سے ایک مہینہ کامل محاصرہ ڈال کر مدینہ کے سامنے پھیل گئے، یہاں تک کہ آسمانی قوت نے ہوا میں جنبش پیدا کی جس نے خیمے اُکھاڑ دیئے، ہانڈیاں دیگیں اُلٹ دیں۔ فرشتوں نے کافروں کے دل مسل ڈالے دشمنوں میں بلاوجہ رستخیزی پیدا ہوئی، قریش بغیر لڑے بھڑے مکہ میں آکر چھپ گئے، تو اس واقعہ نے تمام عرب میں زلزلہ ڈال دیا یقین و ایمان کی ایک لہر تھی جو تمام عرب میں دوڑ گئی۔ غفاری اولاً یونہی منتظر بیٹھے تھے اس واقعہ نے ان کے شوق اور اضطراب کو اور بھی بھڑکا دیا۔

## مدینہ منورہ کا سفر

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بقیہ غفار نے درخواست کی کہ ہم لوگ مدینہ جاکر ایمان لانا چاہتے ہیں، اسلم والوں نے بھی ساتھ دیا۔

۵ھ ہجری کے ابتدائی مہینے تھے کہ غفار اور اسلم کی معیت میں اسلام کا کامیاب مبلغ پھر انہیں قدموں کے نیچے آکر تڑپنے لگا، جس کی یاد نے اس کو طویل عرصہ میں کبھی چین سے نہیں رکھا تھا، کیا کچھ واقعات گزرے۔ ہجر و فراق کی داستانوں میں کیا گفت و شنید ہوئی۔ زمانہ اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ہمیں تو صرف اس قدر معلوم ہے

کہ دونوں قبیلے آپ کے روبرو پیش ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدارِ اقدس سے اُن کی آنکھوں، بلکہ جانوں کو نوازتے ہوئے فرمایا۔

غفار غفر اللہ لہا اسلم — غفار، خداوند تعالیٰ ان کی مغفرت کرے

سالمہا اللہ (صحاح مسند) — اور اسلم کو خدا سلامت رکھے۔

یہ ایک خاص خصوصیت تھی، جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے علاوہ آپ نے کسی قبیلے کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ اور اسلم پر بھی یہ رحمت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت پھیل گئی۔

قبائل غفار و اسلم تو اپنے خیمہ گاہوں کی طرف واپس لوٹے اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ کا دامن تھام لیا۔ اور اس مضبوطی سے تھاما کہ پھر کبھی الگ نہیں ہوئے۔

**امارتِ مدینہ** روز بروز آپ کا اقتدار اور اعزاز دربارِ نبوی میں بڑھ رہا تھا، حتیٰ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ ذات الرقاع[1] میں تشریف لے گئے، تو مدینۂ منورہ کا امام

---

[1] اس جنگ کا نام ذات الرقاع (یعنی لتوں والی لڑائی) ہے۔ وجہ یہ تھی کہ راستہ نہایت سنگلاخ اور پتھریلا تھا، جس سے اکثروں کے پاؤں پھٹ گئے تھے۔ لوگوں نے اس لئے پاؤں میں لتے باندھ لئے

آپ ہی کو بنایا اور نہ صرف آپ ہی امیر ہوئے بلکہ آپ کے صدقہ میں غفاریوں کو بھی کبھی کبھی یہ عہدہ ملا۔ مثلاً غزوۂ دومۃ الجندل کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفۃ الغفاری کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ؔ

## ردافت کی عزّت

عرب میں عام طور سے دستور تھا کہ جب اونٹ پر سوار ہوتے تو اپنے کسی خاص آدمی کو اپنا ردیف بنا لیتے تھے، جو سوار کی کمر تھام کر پیچھے بیٹھتا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی کسی کو اپنا ردیف بناتے تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ کے ردیف آپ کے چچازاد بھائی افضل بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردافت ایک بڑا عہدۂ جلیل تھا۔ جس شخص کو آپ یہ عزت دیتے تھے عموماً وہ ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ) چونکہ ذات الرقاع صحیح روایات کی بنا پر خندق کے بعد واقع ہوا ہے اس لئے حضرت ابوذرؓ کا امیر مدینہ ہونا کوئی بعید نہیں۔ والتفصیل فی زاد المعاد ۱۲

ؔ زاد المعالج ۱۔ ۱۲

ہمارے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بھی اس عزت سے سرفراز کیے جاتے تھے۔ نہ صرف اونٹوں پر بلکہ حضور چھوٹی چھوٹی سواریوں میں بھی مثلاً گدھے وغیرہ پر بھی حضرت ابوذرؓ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے اور آپ سے باتیں کرتے ہوئے راستہ طے فرماتے تھے[1]

## خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور صرف ردافت ہی نہیں بلکہ زمانہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ خادم بھی رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خدمت سے بہت زیادہ خوش تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت سے فارغ ہو کر کچھ رات گزرے مسجد نبویؐ میں سونے کے لئے آئے، چونکہ اس دن زیادہ کام کیا تھا اس لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دل دہی کے لئے تھوڑی دیر کے بعد مسجد تشریف لائے۔

حضرت ابوذر سو چکے تھے، آپؐ نے انگوٹھے کے اشارے سے جگا یا۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھے، آپؐ نے پوچھا، ابوذر کیا ہے اس

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۶۸ مسند احمد وغیرہ ۱۲

دن کیا کرو گے، جب اس سے (مسجد نبویؐ سے) نکالے جاؤ گے۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ دربارِ نبوّت میں بہت زیادہ شوخ تھے
بولے۔ "اپنی تلوار سوت لوں گا اور جو مجھے یہاں سے نکالے گا
اس کی گردن اُڑا دوں گا"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھایا اور دعا کرنے لگے
"اے خدا! ابوذر کی مغفرت فرما"
اس کے بعد ابوذرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا
"ابوذر! نہیں، ایسا نہ کرنا جو بھی تجھ پر حاکم ہو، اگرچہ غلام
حبشی کیوں نہ ہو، جس کے ناک، کان اُکھڑے کیوں نہ ہوں،
اس کی اطاعت کرنی چاہیئے، وہ جدھر کھینچے کھنچ جانا۔ جدھر
ہانکے چلے جانا[1]"
اور ایسا ہی ربذہ میں ہوا جس کی تفصیل آتی ہے۔

**صاحب سر النبی صلی اللہ علیہ وسلم** | آپؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص خصوصیت
یہ بھی تھی، حضورؐ نے بہت اسرار آپؓ کو بتائے تھے، لوگ جب

---

[1] مسند احمد بن حنبل وغیرہ ۱۲

آپ سے کوئی حدیث پوچھتے تھے تو فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسرار بتائے ہیں۔ وہ اگر پوچھتے ہو تو نہیں بتاؤں گا اس کے علاوہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو[1]!

**دردِ محبت** اگرچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اکثر حالات میں تفتہ جگر دل کو اس ٹیس کے کھُلے کھُلے نشانات ملتے ہیں۔ جس کے بغیر مومن مومن نہیں ہوتا لیکن بعض واقعات خاص طور پر عبرت انگیز ہیں، جس سے محب و محبوب کی باہمی لگاوٹوں کا ایک دلفریب مرقع سامنے کھنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ کا یہ حال تھا کہ اکثر جب حدیث جاناں کا ذکر فرماتے تو کہتے

| | |
|---|---|
| اوصانی حبیبی بثلاث بصلوٰۃ الضحیٰ والوتر قبل النوم والصیام ثلثۃ ایام من کل شہر[2] | میرے محبوبؐ نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی ہے۔ چاشت کی نماز کی اور وتر سونے سے پہلے پڑھ لیا کروں، ہر مہینہ میں تین روزے رکھا کروں۔ |

---

[1] مسند احمد بن حنبل ص ۱۶۷ ج ۵ مطبوعہ مصر ۱۲

[2] مسند احمد ۱۲

اور اخیر میں فرما دیتے کہ میں اس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح ایک دوسری وصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اوصانی حبی بخمس ارحم المساکین واجالسھم وانظر لمن ھو تحتی ولا انظر الی من ھو فوقی وان اصل الرحم وان اقول الحق ولو کان مرا وان اقول لا حول ولا قوۃ الا باللہ[1]

میرے محبوب نے مجھے (اور) پانچ باتوں کی وصیت کی یہ کہ مسکینوں پر مہربانی کروں اور انہیں کے ساتھ نشست و برخاست رکھوں، ہمیشہ اپنے سے ابتر حال والوں پر نظر رکھوں اور اپنے سے بہتر حال والے کو نہ دیکھوں اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کروں اور سچ بولوں اگرچہ تلخ کیوں نہ ہو اور کہتا ہوں کہ گناہوں سے باز نہیں رہ سکتا اور نہ فرمانبرداری پر قادر ہو سکتا مگر صرف خدا کی مدد سے۔

الغرض یہ خاص آپ کا طرز تھا کہ ان کا نام جن کی زندگی کی قسم آسمانوں پر رحمٰن مقتدر کھاتا تھا حبیبی یا خلیلی کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے کبھی کبھی حالت بہت غیر ہو جاتی تھی۔ حدیث بیان نہیں کر سکتے تھے گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

احنف بن قیس راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] مسند احمد ۱۲

کو بیت المقدس کی مسجد میں ایک حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا۔ صرف اتنے الفاظ کہہ کر کہ مجھے میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، چیخ مارتے تھے، پھر لوٹاتے کہ مجھے میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، اور چیخ مارتے، پھر یہی کہتے کہ مجھے میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، اور چیخ مارتے حتیٰ کہ چوتھی بار ضبط کر کے آپ نے حدیث بیان کی[1]

ایک دن حضرت ابوذرؓ کو خیال گزرا کہ آج تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں، لیکن جنّت میں کیا ہوگا؟ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہشت میں ہوں گے۔ اور میرا وہاں جانا نہ جانا مشکوک ہے کہ جنت کا استحقاق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباعِ کامل سے ہوتا ہے اور ہم میں یہ کب ہے۔

الغرض اس کا خلجان اس قدر بڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یارسول اللہ ایک آدمی ہے جو کسی کو پیار کرتا ہے، اس سے اسے محبت ہے لیکن اس میں استطاعت نہیں کہ اپنے محبوب کے مانند تمام اعمال و افعال کو بجا لائے، (پھر

---

[1] مسند احمد ۱۲

اس کا قیامت میں کیا حال ہو گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت ابوذرؓ کے مقاصد کو پہنچ گئے فرمایا اے ابوذر تم تو اسی
کے ساتھ رہو گے جس کو پیار کرتے ہو۔ حضرت ابوذرؓ بیتاب ہو کر چلائے
کہ یا رسول اللہؐ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو پیار کرتا ہوں
اور انہیں کو دوست رکھتا ہوں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔

"تو اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو،
تم اسی کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو، تم اسی کے ساتھ
رہو گے جسے چاہتے ہو"

شہیدانِ محبت کے لئے حضرت ابوذر کا یہ سوال انشاء اللہ
بہت زیادہ ہمت افروز، حوصلہ افزا ہے، اعمال میں کمزوریاں
ضرور ہیں، اتباع اسوۂ نبویہ یقیناً نایاب ہے لیکن

انت مع من احببت — تو اس کے ساتھ جس کو دوست رکھتا ہے

بھی ایسی سچی زبان صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیٰ اصحابہ وسلامہ کے امواجِ
صادقہ ہیں جس کی سچائی کی اُمید نہ رکھنی کفر ہے، تم محبت کر کے دیکھو! دیکھنا
کہ اتباع کے لئے جوڑ جوڑ بند بند ظاہر و باطن خود مضطر ہو گا۔

اب شانِ محبوبی کی جلوہ فرمائیوں کا بھی نظارہ کرو جانباز دل

کے ساتھ کیا نوازشیں تھیں کیا کچھ مداراتیں تھیں، حضرت ابوذرؓ خود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

| | |
|---|---|
| لم یلقنی قط الا اخذ بیدی۔ | کبھی میری ملاقات ایسی نہیں ہوئی کہ آپؐ نے میرے ہاتھ نہ پکڑے ہوں (یعنی ہمیشہ مصافحہ کی سرفرازی نصیب ہوتی) |

دربارِ رسالت میں جب کسی کی زبان نہیں کھل سکتی تھی، کسی کے کرم ہائے فراواں نے ابوذر کو گستاخ کر دیا تھا، کہ جو جی میں آتا تھا پوچھتے تھے، خود فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| انا کنت اسأل عنها یعنی اشد مسئلة (سنن بیہقی) | میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پوچھا کرتا تھا اور پوچھنے میں سخت تھا۔ |

سوال کی اسی شدت وکثرت کا نتیجہ تھا کہ آخر دنوں میں حضرت ابوذرؓ فرمایا کرتے۔

| | |
|---|---|
| لقد ترکنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرك و طائر جناحیه فی السماء الا اذکر منه علما (مسند احمد) | محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس) وقت ہم لوگوں کو چھوڑا جب فضا میں اڑنے والے پرندوں کے متعلق بھی ہمیں کوئی نہ کوئی علم مل گیا۔ |

---

۱؎ مسند احمد ص ۱۶۲ ج ۱۲

صحبت و خدمت کی اس طویل مدت اور سوالوں کی پوچھ گچھ کے اس دراز سلسلے میں شاید ہی کبھی اپنے نیاز مند کو بارگاہ سراپا ناز سے جھڑکی ملی۔ البتہ ایک دفعہ جب حضرت ابوذرؓ اپنے حدود سے بہت آگے بڑھ گئے تو پھر عتاب ہوا۔ اور ایسا عتاب ہوا کہ حضرت ابوذرؓ بھی اس کو ہمیشہ یاد کرتے ہوئے فرماتے۔

| | |
|---|---|
| فغضب عليّ رسول الله صلى الله عليه وسلم ما غضب عليّ من قبل ولا من بعد (سنن بیہقی) | پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر غصے ہوئے اور اس قدر غضبناک ہوئے کہ نہ اتنا غصہ آپ کو مجھ پر نہ اس سے پہلے آیا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی آیا۔ |

قصہ یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "لیلۃ القدر" کی بڑی تلاش رہتی تھی، ایک دن موقع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے، کہ یا رسول اللہ! کیا قدر کی رات صرف رمضان کے مہینے کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے مہینوں میں بھی واقع ہو سکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں، صرف رمضان میں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ رات محض اس وقت تک رہے گی، جب تک اللہ کے پیغمبر ہم میں ہیں یا ان کے بعد بھی اس کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ نبی کے بعد بھی یہ رات باقی رہتی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔ میں نے عرض کیا کہ آخر رمضان کے کس عشرہ میں اس رات کو تلاش کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا آخر عشرہ میں اور اوّل عشرہ میں اسے ڈھونڈھو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی اور گفتگو میں مصروف ہو گئے، لیکن میں موقع کی تاک میں رہا ذرا غفلت پاکر پھر پوچھا کہ آخر ان دو عشروں میں سے کس عشرہ میں واقع ہوتی ہے۔ فرمایا کہ آخر عشرہ میں اور اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بس اب آیندہ کچھ نہ پوچھنا، پھر آپ دوسری باتوں میں مشغول ہو گئے۔ مگر میں تاک ہی میں لگا رہا، موقع پاتے ہی باوجود ممانعت کے میں نے یہ کہتے ہوئے۔

| | |
|---|---|
| اقسمت علیك یارسول اللہ | حضور پر میرا جو کچھ بھی حق ہے۔ میں |
| بحقی علیك لتحدثنی فی | اسکی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ مجھے |
| ای العشر ھی۔ | بتا دیجئے کہ عشرۂ اخیر کی کس رات میں یہ |
| | رات واقع ہوتی ہے؟ |

بس اس کے بعد حلم قلزم عمیق میں جنبش ہوئی اور ایسی ہوئی جسے تم حضرت ابوذرؓ کی زبانی سن چکے ہو کہ اس طلاطم کو نہ انھوں نے پہلے دیکھا

تھا اور نہ بعد۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دریائے رحمت
کے اِس غضبی جوش کا منشاء کیا تھا۔ کیا باوجود ممانعت
کے حضرت ابوذرؓ کے پوچھنے پر غصّہ آیا۔ شاید اس پر
کہ ابوذر میں اب تک اپنا اتنا حصّہ باقی ہے جس کی تعبیر
انھوں نے "حق" سے کی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
ابوذر کو جو کچھ بنانا چاہتے تھے اس کے اندر "حق" کی
گنجائش کہاں رہتی ہے؟ بہر حال، یہ الفت و محبت کے
دائرہ کی باتیں ہیں ان رموز و اسرار تک محب و محبوب
کے سِوا کسی دوسرے کی کیا رسائی ہوسکتی ہے۔ میں تو
اسوقت ان نوازشوں کا ذکر کرنا چاہتا تھا، جو مختلف
شکلوں میں جانباز ابوذر پر دربارِ نبوت سے مبذول ہوتی
رہتی تھیں۔ واقعات بکثرت ہیں، لیکن سب سے نمایاں
سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مرض کا ایک واقعہ ہے۔
حضورؐ صاحبِ فراش ہیں، مرض شدت پذیر ہے عین اسی حالت
میں حکم ہوتا ہے کہ 'ابوذر کو بلاؤ!' لوگ دوڑتے ہیں لیکن وہ وارفتۂ
جمالِ نبوی خدا جانے کدھر نکل گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں جب واپس
ہوئے اور معلوم ہوا کہ طلبی ہوئی تھی، ہانپتے کانپتے آستانے پر

پہنچے باریابی ہوئی۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ لیٹے ہوئے تھے، ضعف سے اُٹھ نہ سکے، میں آپؐ کی طرف جھکا اس وقت آپ کے دونوں ہاتھ بڑھے اور مجھے اپنے صدرِ منشرح سے چمٹا لیا۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ اس کا پورا علم تو حضرت ابوذرؓ کو ہوگا، تاہم اتنا تو دنیا کو بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعد ابوذرؓ سے پندار و خودی، آرزو و خواہش کے خس و خاشاک جلکر کچھ اسطرح بھسم ہوئے کہ پھر کبھی نہیں اُگے

مطلع سینۂ نبوی سے ابوذرؓ کے پہلو میں وہ درد اُترا جس کے بعد انسان ہمیشہ مجنون و دیوانہ مشہور ہوا ہے۔

**صحبتِ نبویہؐ کے آثار** مُحمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (بلکہ وہ بھی جو آپ کے ساتھ ایمانا نہ تھے پر آپ کے زمانہ میں تھے) باہمی تعلقات کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہمارے سامنے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس تمثیلی بیان سے غالباً زیادہ مؤثر کوئی چیز نہ ہو، یعنی اپنے مکتوبات میں ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں۔

"آفتاب جگر آسمان پر تھراتا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہے دھوبی اپنے کپڑے صاف کرکے اسکی گرم گرم شعاعوں کے سامنے

---

ؓ مسند احمد بن حنبل الا مام ۱۲

ان کپڑوں کو پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔" مگر تاثیر کی بوقلمونی کس درجہ اعجوبہ پرواز ہے کہ کپڑے آناً فاناً سفید ہوتے جاتے ہیں اور دھوبی کا چہرہ اسی دھوپ میں اسی وقت ایک ہی ہوا میں اسی نسبت کے ساتھ سیاہ پڑتا جاتا ہے۔"

تم دیکھتے ہو کہ عرب کے ایک ساحلی شہر طیبہ میں ایک نبوی آفتاب چمک رہا ہے۔ اس کے اردگرد سینکڑوں دل ہزاروں روحوں کا اجتماع ہے۔

لیکن وہ جنھیں لوگ افضل البشر بعد الانبیاء کہتے ہیں صدیقیت کے رنگ کو اپنے اندر اس کی کرنوں سے پختہ کر رہا ہے۔ کسی میں فاروقیت یا حق و باطل کی قوت ممیزہ شدت پذیر ہو رہی ہے۔ کوئی ہے جو اپنے روح و جسم میں حیا کے تمام شعبوں کی تکمیل میں مصروف ہے۔ کسی کا سینہ علوم و معارف کے لئے یوماً فیوماً منشرح ہو رہا ہے۔ اور جہاں یہ ہے وہیں چند اشقی القوم ایسے بھی ہیں، جن کے قدم جہل و تیرہ دری کی سیاہ کیچڑوں میں دھنس رہے ہیں، گمراہی و شرارت کے لہب و شعلوں میں گھسے جاتے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ | مبارک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت

| وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۝ نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ ۔ | (عالم) کی ہے اور وہ ہر چیز (خواہ شر ہو یا خیر) پر قادر ہے۔ اسی نے پیدا کیا موت کو (جو ایک شر چیز ہے) اور زندگی کو (جو خیر ہے) |
| --- | --- |

انھیں دلوں میں ایک وہ دل بھی تھا جس پر غفاریوں کی خاندانی کے پردے پڑے ہوئے تھے اور جس پر لٹیروں کی قساوت و ہوسناکی کا بادل محیط تھا۔ لیکن ان تنگنہائے تار کے اندر ایک مادہ صالحہ بھی پنہاں تھا، جو اسی آمدنی آفتاب کے نیچے خوش قسمتی سے آگیا ہے۔

سراج نیّر (آفتابِ درخشاں) کی تیز کرنیں اس پر بھی پڑ رہی ہیں ابر ہٹ رہے ہیں پردہ چاک ہو رہا ہے، حتیٰ کہ جب ان کی بالکل دھجیاں اُڑ گئیں تو میں نے بعد کو اور مجھ سے صدیوں پہلے دنیا کی بہترین جماعت نے دعوتِ توحید کی صداقت مآب آوازوں میں سُنا۔

| من سرہ ان ینظر الی زھد عیسی بن مریم فلینظر الی ابی ذر | جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھکر خوش ہونا چاہتا ہے پس وہ ابوذر کو دیکھے |
| --- | --- |

حتی کہ جب دیکھنے والوں نے دیکھا تو بنی اسرائیل کے اس نبی میں جو تائید روح القدس کے پرورش یافتہ تھے اور محمد (صلوات اللہ علیہ وسلامہ)

کی اَدنیٰ فیض پذیر بندہ کے زہد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ ہمارے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جن کی فطرت میں بَطنِ اُم (شکمِ مادر) سے زہد و تقویٰ کا تخم موجود تھا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آبشارِ صحبت کی بدولت وہ اُگا پھلا پھولا اور اخیر میں اتنے برگ و بار لایا کہ اسکی شادابی دیکھکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقتِ جامعہ نبویہ[1] کی شاخِ مسیحی کا اسے ایک مکمل نمونہ قرار دیا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفس صحبتِ پاک کا ہی اثر تھا لیکن اسباب وعلل کی تلاش کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس میں بہت بڑا دخل سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ انتخاب اور طریقِ تعلیم کو بھی تھا۔ آپ جس شخص میں جس چیز کی مناسبت دیکھا کرتے اس کو اسی قسم کی تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ انشاءاللہ

---

[1] آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی شان مبارک میں ارشاد فرمایا ہے۔ اوتیتُ علم الاولین والاٰخرین ۔ اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم و معارف مجھے دئے گئے۔ اسی لحاظ سے آپ کی ذات تمام انبیاء علیہم السّلام کے حقائق کی جامع تھی صحابہ پر ان حقیقتوں میں سے کسی ایک کا پرتو پڑتا تھا اور وہ اسی میں پختہ اور کامل ہوجاتے تھے ۱۲

کچھ تھوڑی بہت تفصیل اس کی آئندہ پڑھو گے۔ تم کو وہیں سلف صالح کی ان آراء مستقیمہ کی صداقت بھی معلوم ہوگی جو فرماتے آئے کہ حدیث و قرآن سے تکمیل روحِ انسانی کے لئے ضرورت ہے کہ کسی شیخ طریقت کی حلقہ بگوشی بھی اختیار کی جائے، وجہ یہ ہے کہ گو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصورتِ قرآن و آثار و حدیث ہمارے سامنے ہے، لیکن آج وہ قوتِ انتخابیہ کہاں ہے، جو جانچ لے کہ فلاں شخص کے لئے فلاں تعلیم کی ضرورت ہے۔

حضراتِ صوفیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں خدا اس قوت کو پیدا فرماتا ہے اور وہ اپنے وابستوں کی جبلت کا اندازہ کر کے ان کے سامنے ارشاد و تعلیم فرماتا ہے۔

# طریقۂ تعلیم نبوی

میں استیعاب تو نہیں کر سکتا، تاہم مختصر طور پر اس کا ایک دُھندلا سا خاکہ پیش کرنے کی گنجائش بھی پاتا ہوں۔

**محبّتِ دُنیا** مراتبِ زہد میں سب سے پہلے جس جذبہ کو دبانا چاہیئے وہ محبتِ دنیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے دھن دولت کی مذمت فرماتے، خود ابوذر رض فرماتے ہیں کہ میں کعبہ (غالباً یہ مدینہ آنے سے پہلے کا واقعہ ہے) کی طرف ایک دن جارہا تھا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دیوار کے سائے میں جلوس فرما تھے، دُور سے مجھے دیکھا اور جب قریب ہوا تو آپ فرمانے لگے۔

| | |
|---|---|
| ھم الاخسرون ورَبِّ الکعبۃ | وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبہ کے رب کی |
| ھم الاخسرون ورَبِّ الکعبۃ | وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبہ کے رب کی |

حضرت ابوذر رض کو خیال ہوا کہ شاید میرے متعلق آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی، سانس چڑھ گئی، دوڑتے ہوئے آئے، اور فرمایا

| | |
|---|---|
| مَن ھُم فدالکَ ابی وامی | وہ کون ہیں آپ پر میرے ماں باپ قربان ہیں |

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| الاکثرون اموالا اِلّا مَن قال ھکذا وھکذا وقلیل ماھم | زیادہ مال و دولت والے، لیکن جس نے اس طرح اور اس طرح دیا وہ بہت ہی تھوڑے ہیں |

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں، آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے دونے بنائے اور آگے دائیں، بائیں کی طرف اشارہ فرمایا، یعنی جو خوب لے دے۔ غریبوں کے کام چلائے۔

شام کا وقت ہے، صحرائے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغرض سیر و تفریح تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ ہیں۔ سامنے اُحد کا پہاڑ نظر آیا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا "ابوذر!"

حضرت ابوذر: لَبَّیکَ یا رَسُولَ اللّٰہ۔

آپ نے فرمایا۔

"اے ابوذر اگر اس اُحد کے برابر بھی ہمارے پاس سونا ہو تو میں اس کو بالکل پسند نہیں کروں گا کہ وہ ہمارے یہاں تیسرے دن تک رہ جائے لیکن صرف اس قدر حصہ جو قرضداروں کے لئے رکھ چھوڑوں، میں سب کو اِدھر اُدھر اللہ کے بندوں پر تقسیم

کردوں"۔ اور پھر دونے بنا بنا کر آپ دائیں بائیں اشارے فرمانے لگے۔

حضرت ابوذر رض فرماتے ہیں، ہم پھر آگے چلے، آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پھر ارشاد فرمایا:۔

" ابوذر! وہی بے دولت ہیں جو دولت والے
ہیں مگر صرف وہ جو اِدھر دے اُدھر دے"۔ ؎

پس وہ جنھیں خدا پیار کرتا ہے ان میں ایک وہ شخص ہے کہ ایک فقیر اس قبیلہ میں آتا ہے اور قرابت کا واسطہ دے کر نہیں بلکہ خدا کا واسطہ دے کر ان سے کچھ مانگتا ہے اور قبیلے کے لوگ اسے کچھ نہیں دیتے ہیں لیکن وہی چپ چاپ اُٹھتا ہے اور چھپا کر اس کے کچھ اسطرح حوالہ کر دیتا ہے کہ اس کی خیرات کا علم بجز خدا اور لینے دینے والے کے علاوہ کسی کو نہیں، دوسرا وہ ہے جو کسی قافلہ کے ساتھ رات کو چلتا ہے۔ حتیٰ کہ جب قافلہ پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کسی مقام پہ اُتر پڑتے ہیں اور تکیوں پر سر رکھکر سو جاتے ہیں، لیکن وہ تھکا ماندہ مسافر اکیلا خدا کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے اور اللہ کی خوشامدیں کرتا ہے، اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے

---

؎ مسند احمد ۱۲

تیسرا وہ ہے جو کسی جنگ میں شریک ہے دشمنوں سے سپاہیوں کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے اتفاق سے مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے۔ اس وقت سینہ تانے آگے بڑھتا ہے، پھر یا قتل ہو جاتا ہے یا مظفر و منصور واپس ہوتا ہے۔

اور جن سے خدا بغض رکھتا ہے، وہ بڈھا زانی اور قلاّش بانکا اور ظالم دولت مند ہے[1]

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو لوگ آج اونٹوں بکریوں گایوں کے مالک ہیں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، قیامت کے دن ان کی مویشیاں بہت بڑی اور موٹی ہو کر آئیں گی۔ اور جب تک اعمال کا فیصلہ نہ ہوگا کوئی اپنے مالک کو سینگوں سے مارے گا، کوئی اپنے قدموں سے کچلے گا۔ ایک قطار جب ختم ہو جائے گی تو دوسری آئے گی، اور وہی دُرگت بنائے گی[2]

---

[1] مسند احمد ۱۲

[2] مسند احمد۔ اس حدیث میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مویشیوں پر زکوٰۃ اس وقت

(بقیہ صفحہ ۱۰۷ کے تحت)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یہ حدیث تو آخر عمر میں اکثر پڑھا کرتے تھے۔ کہ مجھ سے میرے محبوب نے عہد کیا۔ کہ جس نے سونے چاندی پر گرہ لگائی وہ ان کے مالک پر انگارے ہیں۔[۱]

اور نہ صرف یہ حدیثیں، بلکہ ایسے سینکڑوں اقوالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے کتبِ احادیث میں موجود ہیں جن میں حضرت ابوذرؓ کی تعلیم کا خصوصیت کیساتھ پتہ چلتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں۔

"ابوذر! مسجد میں جو سب سے زیادہ بلند رتبہ کا آدمی ہو، دیکھو وہ کون ہے؟"

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو جس کے بدن پر نہایت قیمتی جوڑا تھا دیکھا، اور اشارہ کیا کہ حضور وہ ہے۔ آپؐ نے

---

(بقیہ گذشتہ) ہے جب کہ وہ یا تو تجارت کی غرض سے پالے گئے ہوں، یا ان کا اکثر زمانہ چرائی میں بسر ہوتا ہو، ورنہ گھر پر کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں

[۱] اس حدیث کے متعلق حضرت ابوذرؓ کا خاص قصہ اور فتویٰ ہے، ناظرین اس کو یاد رکھیں تمام تمہید اسی کے لئے ہے۔ ۱۲

فرمایا اچھا اب دیکھو! ان میں سب سے زیادہ گرا ہوا کون ہے؟
حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مسکین کی طرف جو نہایت پھٹے
پُرانے چیتھڑوں میں لپٹا ہوا تھا، اشارہ کیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا۔

"خدا کی قسم، قیامت کے دن اس کا (یعنی پھٹے
پُرانے کپڑوں والے کا) وزن نیکی اور بھلائی میں ان سوں
سے (یعنی اچھے قیمتی حُلّے والوں سے) تمام زمین کے
وزن کے برابر زیادہ ہوگا[1]۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن معاش سے تنگ
آکر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور
درخواست کی کہ حضور مجھے کسی صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمائیں،
آپ صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے سنتے ہی فرمایا:۔

| ابوذر میں تم کو کمزور پاتا ہوں (یعنی یہ کام تمہاری فطرت کے مناسب نہیں ہے) اور میں تمہارے لئے اسی بات کو پسند کرتا ہوں جو مجھے اپنے لئے | یا اباذر انی اراك ضعیفًا وانی اُحبُّ لك ما احب لنفسی لا تامرنّ علٰے اثنین ولا |
|---|---|

[1] مسند احمد ۔۱۲۔

## تولِّین مال الیتیم [1]

بسند ہے۔ ہرگز ہرگز تم دو آدمیوں کے کبھی امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کے متولی ہونا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں حضور ؐ کی خدمت میں رات کو حاضر ہوا تھا اور صبح تک اصرار کرتا رہا۔ لیکن آپ نے کسی طرح منظور نہیں فرمایا۔ [2]

اِس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طبیعتوں کی فطری نہاد کا اندازہ بہت ضرور ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تو اس عہدہ پر خود مامور فرماتے تھے۔ لیکن حضرت ابوذر رضؓ کے لئے اسے کیوں ناپسند فرمایا۔

حُبِ مال جو حُبِ دنیا کی نہایت خاردار شاخ ہے۔ اسکی نشوونما میں سب سے زیادہ تائید بخشنے والی چیز رئیس اور دوسروں کی دنیاوی ترقیاں ہیں۔ انسان پر کبھی ہستیٔ ناپائیدار کی اصل حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، اور چند دنوں کے لئے اکثر سلیم الفطرتوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے، مگر جہاں مالداروں اور اپنے سے زیادہ دولتمندوں پر نظر پہنچی۔ ان کے اونچے مکان، عمدہ لباس، لذیذ کھانے، خوبصورت پرشوکت

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۱ ۱۲ [2] مسند احمد ۱۲

سواریاں سامنے سے گذریں۔ بس اسیوقت ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد زہد و عزلت کے تمام جذبات کو کھو بیٹھتا ہے، روحانی خیالات مسلوب ہوجاتے ہیں اور دنیا کی ہوس دل و دماغ پر مُسلّط ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو اس کا بھی علاج بتادیا تھا اور وہ اخیر عمر تک اسی پر عامل رہے خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔

"میرے خلیل (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا ہے"

۱۔ مسکینوں سے محبت کروں، اور ان سے ملتا جلتا رہوں۔

۲۔ اور مجھے فرمایا کہ میں اپنے سے کم رُتبہ والے آدمی پر ہمیشہ نظر کروں، اور اپنے سے بلند مرتبہ پر کبھی نگاہ نہ ڈالوں۔"

یہ در اصل اس مرض کا بہترین علاج ہے۔ فرض کرو کہ ایک آدمی ہے، جسے ململ کا کرتہ اور لٹھے کا پائجامہ پہننے کو گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت کھانے کو ایک صاف ستھرا سا مکان رہنے کو ملتا ہے اب اگر یہ اس شخص پر جس کے پاس گاڑھے کا کپڑا اور جو کی روٹی اور پھونس کے جھونپڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، نظر کرے گا تو اپنی

حالت پر شکر کرے گا اور خواہ مخواہ ان فضول مصائب میں مبتلا نہ ہوگا جو اسے اپنے سے زیادہ مال دار، زیادہ قیمتی لباس عمدہ کھانے کھانے والے پر نظر کرنے کے بعد جھیلنے پڑتے۔ دنیاوی طمانیت اور اُخروی فوائد کی یہ بہترین تدبیر ہے، لیکن ہم میں کتنے ہیں، جو آج اس پر عامل ہیں، بلکہ میں تو کہتا ہوں اگر اس اصول پر انسان عمل کرے تو شاید اسے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ یہی وہ سنہرا اصول ہے۔ جس کی تعبیر میں سعدی نے کہا۔

"پیر کٹے کو دیکھ کر پھر مجھے اس کا افسوس نہ ہوا کہ
میرے پاؤں میں جوتے کیوں نہیں ہیں"

حُبِ مال کے بعد حُبِ دنیا کا دوسرا جزء "جاہ" و "عزت" کی محبت ہے یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور نظامِ عالَم کے فساد کا باعث ہے، دنیا میں بندگانِ دولت سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ان سے بہت ہی کم ہیں۔ جو جاہ پرستیوں کی دیوانگیوں سے ظہور میں آئے۔

اس مرض کا اصلی سبب صرف یہ ہے کہ انسان اپنے اندر جب کسی کمال کو محسوس کرتا ہے تو وہ کمال عطا کرنے والے کی قوّت و قدرت کو بھول جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں

بھی کچھ ہوں، اور اسی کے بعد کوشش کرتا ہے کہ جیسا کہ میں نے اپنے آپ کو کچھ سمجھا ہے کوشش کرنی چاہیئے کہ ہمارے گرد وپیش والوں کو بھی میرے وجود باکمال کی اطلاع ہو۔ پھر اس کے لئے جو کچھ تدبیریں اپنی اپنی پرواز کے موافق سمجھ میں آتی ہیں۔ کم دیکھا گیا ہے کہ حرص و ہوا کا ادنیٰ غلام اس کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا رکھتا ہو، منافقت کے انگاروں سے اپنا سینہ بھر لیتا ہے اور حلال وحرام طریقوں سے اپنے وجود کی خبر دُنیا کے کانوں تک پہنچانے کی فکر میں مصروف رہتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو کمال پیدا ہونے والا تھا، یا ہو چکا تھا۔ وہ زہد و تقویٰ کا کمال تھا۔ ڈر تھا کہ کہیں اس پر عجُب و خود بینی نہ پیدا ہو جس کے بعد جاہ و عزت کا سیلاب خود بخود دنیا و آخرت کے چین کو بہا کرلے جاتا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اِس کا بھی انسداد فرما دیا۔ اور صاف لفظوں میں حضرت ابوذر رضؓ کو مخاطب کر کے آپؐ نے ایک دن فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے بندو! تم سب کے سب گنہگار ہو، لیکن جسے میں محفوظ رکھوں۔

پس تم سب کے سب مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کی درخواست کرتے رہو، میں تمہیں بخشوں گا۔ جو مجھے صاحبِ قدرت جانتا ہے یعنی جانتا ہے کہ گناہوں کو خدا مٹا سکتا ہے، اور مٹاتا ہے۔ اور جس نے میری قدرت کے وسیلہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی میں نے اس کے گناہ معاف کیے اور مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔"

اے ہمارے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو لیکن صرف وہ جسے میں راستہ بتاؤں، تو تم ہم سے ہی ہدایت کی التجا کرو۔

تم سب کے سب محتاج و فقیر ہو لیکن صرف وہ جسے میں غنی کروں، تم مجھ سے ہی اپنی روزیاں طلب کرو، اور یاد رکھو اگر تمہارے مردے اور زندے، اگلے پچھلے، بُرے بھلے، خشک وتر، سب کے سب میرے کسی بندے کی انتہائی پرہیزگاریوں پر جمع ہو جائیں تو ان سب سے میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی اضافہ

نہیں ہو گا۔

اور اگر تمہارے زندے، مُردے، اگلے، پچھلے بُرے، بھلے جمع ہوں، اور ہر ایک اپنی اپنی تمام اُمیدوں کا مجھ سے سوال کرے اور میں سب کے سوال پورے کر دوں، تو اس سے بھی میرے ملک میں کچھ کمی نہیں ہو گی۔ لیکن صرف اس قدر کہ ایک شخص کسی دریا میں اپنی سوئی ڈبوتا ہے اور نکال لیتا ہے اور یہ اس لئے کہ میں ہی بخششوں والا بزرگ و برتر اور تمام مقاصد پر غالب ہوں، کرتا ہوں جو کچھ چاہتا ہوں۔

میرا دینا بھی صرف میرا کلام ہے اور میرا عذاب بھی صرف میرا کلام ہے، میں جس چیز کا ارادہ کرتا ہوں اس سے کہتا ہوں کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔"

یزدانی جلال و جبروت کا جو نظارہ تم اس کلام میں کرتے ہو کیا اس کی صداقت یقین کرنے کے بعد اپنی ہستی یا اپنے مکاسب و کمالات پر کبھی کوئی ناز کر سکتا ہے، کیا اس کے بعد ایک سکنڈ کے لئے غرور و گھمنڈ کی چنگاریاں کسی دل میں چمک سکتی ہیں

اور کیا اس کے بعد پھر کبھی کوئی مومن باللہ جاہ و عزت بقار ونمود کے لئے کرۂ ارض پر کوئی فتنہ اُٹھا سکتا ہے، آخر جب کہ ہم میں ہر ایک خطا وار ہے، تو تقویٰ و طہارت پر کون دیوانہ مغرور ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ اس کی شہرت و صیت کی جدو جہد میں مبتلا ہو۔

جب کہ ارباب دول کی تمام تر ثروتیں صرف خدائے قیوم کے قبضۂ اقتدار میں ہیں تو کیسہ ہائے زر پر سینہ تاننے والا اگر احمق نہیں تو اور کیا ہے اگر یہ صحیح ہے کہ ہمارے تمام اکابر اسافل بڑے اور چھوٹے مل کر بھی خدا کی بارگاہِ جلال میں پر پشہ کی برابر اضافہ نہیں کر سکتے، تو پھر انسان مشتے از خاک انسان کس برا کرتا ہے۔

اس کی شانِ بے نیازی کا جب یہ حال ہے کہ وہ ہدایت و رشد کے باب میں بھی صرف توفیق اور اپنے ہاتھ کو کام کرنے والا بتاتا ہے تو ایک واعظ، و مصلح کس بنا پر اپنے مساعی کو قابلِ قدر ہستی سمجھ سکتا ہے۔

"آہ! کہ سب کچھ اسی کا ہے، اور ہم محض محتاج و
فقیر ہیں تو پھر یہ خود بینی کیسی، یہ زعم و پندار کیوں"؟

یہی وہ حکم و مواعظ تھے، جس نے اخیر میں روحِ ابوذری پر

زہد عیسوی کا نقشہ کھینچ دیا، بہرکیف یہ سب کچھ تھا اور اس سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبانِ اطہر و قلبِ مزکی سے حضرت ابوذر رض کی زاہدانہ فطرت کو ابھارتے رہتے تھے۔

لیکن آپ کی تمام تعلیم و ارشاد میں سب سے زیادہ خصوصی نظر اس حصہ پر ڈالنی چاہیئے، جہاں اسلام اپنی امتیازی شان کے ساتھ تمام ادیان و ملل سے علیحدہ نظر آتا ہے۔

تم کو وسوسہ ہوتا ہوگا کہ اگر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم تھی، تو پھر اسلام نے رہبانیت کی کیا مخالفت کی؟ اور اسے قسیسوں واحباروں کے خود تراشیدہ امور میں کیوں شمار کیا؟

میں اسی سوال کے جواب کی طرف تمہیں متوجہ کرانا چاہتا ہوں، عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ زہد و تقویٰ اس کا نام ہے کہ آبادیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور بیابانوں میں نکل جانا چاہیئے۔ اور وہیں کہیں تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مصروف ہونا چاہیئے حضرت ابوذر رض فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"راستوں سے ہڈیاں اٹھانی یہ بھی نیکی ہے کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ بتا دینا یہ بھی صدقہ ہے کسی کمزور

آدمی کی معاونت کرنی یہ بھی صدقہ ہے، اور تیرا
اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونا یہ بھی صدقہ ہے[1]"
حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (تعجب سے) پوچھا
کہ حضور کیا بیوی کے ساتھ ہم خلوت ہونے میں صدقہ ہے؟
حالانکہ اس میں تو آدمی اپنے نفس کی خواہش پوری کرتا ہے
کیا آدمی اپنی خواہش بھی پوری کرے گا اور اجر بھی پائے گا؟
سیّدالانبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا۔ اچھا بتاؤ
اگر تم اس خواہش کو کسی ناجائز اور حرام طریقے سے پوری کرتے
تو کیا یہ گناہ نہ ہوتا؟ حضرت ابوذر نے کہا، یقیناً
آپؐ نے فرمایا۔ تو تم لوگ گناہوں کا تو خیال کرتے ہو، لیکن
نیکیوں کا نہیں۔ عموماً زاہدانہ زندگی گزارنے والے، کسب و
حرفت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور پھر جب انھیں دنیاوی ضروریات
ستاتی ہیں تو حالاً یا قالاً بھیک مانگنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ
"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا
اور فرمایا:

---

[1] مسند احمد ۱۲

کیا تم ایک ایسی بات پر بیعت کرو گے کہ اس کے بعد
تمہارے لئے صرف "جنت" ہے۔"

حضرت ابوذرؓ نے کہا! جی ہاں۔ اور میں نے ہاتھ پھیلا دیئے آپؐ نے فرمایا کہ "میں تم سے عہد لینا چاہتا ہوں، کہ تم کسی آدمی سے کچھ نہیں مانگو گے۔ حضرت ابو ذرؓ نے کہا "بہت بہتر" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" حتیٰ کہ وہ کوڑا بھی نہیں جو تمہارے گھوڑے سے گر پڑے، بلکہ تم اُترو اور خود اُٹھاؤ"!

ہمارے زمانے کے فقراء و درویش نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کر رکھا ہے، کہ ہر وقت منہ چڑھا ہوا ہے، کسی نے کوئی بات بھی پوچھی تو اس کا جواب بھی پیشانی پر بل دیتے ہوئے دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ "مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہرگز کسی قسم کی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر تمہارے پاس کسی مسلمان کے ساتھ سلوک کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے تو اپنے بھائی کے ساتھ بخندہ پیشانی ملو۔[۲]

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں پر زہد کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ یکایک اپنے گھر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ بیوی، بال بچے اقربا کی

---

[۱][۲] مسند احمد ۱۲

خبر گیری کا بالکل خیال نہیں کرتے، حالانکہ یہ حرکت اِس مقصد کے بالکل خلاف ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اِنسان دنیا میں چند سال کے لئے جس کی مدت اس زمانہ میں ساٹھ ستّر سے شاید زیادہ نہیں، محض آزمائش کے لئے اُتارا گیا ہے اور اصلی آزمائش یہی ہے کہ تمام فتنوں میں مبتلا ہو کر بھی اپنے خالق ذوالجلال کو نہیں بھولتا۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں :-

"مجھے میرے محبوب نے وصیت کی کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا رہوں، اگرچہ اسے پورے طور پر انجام نہ دے سکوں[۱] کہ یہ بہت مشکل ہے۔ (بہر کیف جس قدر بضاعت ہو، اسی میں سب کے ساتھ سلوک کرتا رہے")

### جذب و مستی اور اسکی حقیقت

تعلیم و تزکیہ کا یہی زرّین سلسلہ تھا جو روز بروز حضرت ابوذر رضہ کے اصل جوہر کو چمکا رہا تھا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر لحظہ ہر وقت، حضرت ابوذرؓ کی حرکت و سکون پر نظر رکھتے تھے۔ اور اِدھر حضرت ابوذر رضہ کا یہ حال تھا کہ جو کچھ کہا جاتا اور جس وقت

---

[۱] مسند احمد ۱۲

کہا جاتا فوراً ان کی روح اُسے جذب کرلیتی اور اس سختی کے ساتھ اسے قبول کرتی کہ پھر دنیا کی کوئی قوت اس رنگ کو کسی طرح مٹا نہیں سکتی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ وہ خود اپنی ہستی مٹا بیٹھتے، لیکن یہ بالکل ناممکن ہو رہا تھا کہ جو رنگ ان پر چڑھا یا گیا تھا وہ زائل تو کیا میلا بھی پڑتا۔

مثلاً اسی زمانہ میں جب کہ آپ شروع شروع دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، ایک دن غصّہ میں آکر ایک صحابی (حضرت بلالؓ) کو ان کی غلامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

| | |
|---|---|
| یا ابن الامۃ | او لونڈی بچے! |

کہہ دیا۔ حضرت بلالؓ سیدھے دربارِ نبوت میں پہنچے، اور ابو ذرؓ پر دعویٰ دائر کردیا، کہ اُنھوں نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ اسیوقت حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلبی ہوتی ہے، حاضر ہوتے ہیں، بارگاہِ نبوت سے سوال ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| اسابیت فلانا | کیا فلاں (بلالؓ) کے ساتھ تم نے گالی گلوج کی ہے؟ |

ابو ذرؓ کا زندہ ضمیر "جرم" کے زہریلے جرم کو اپنے اندر اس صحت یابی کے بعد جو صحبت نبویہ سے حاصل ہوئی تھی چھپا نہیں سکتا تھا صاف لفظوں میں بغیر کسی تاویل یا اظہارِ اسباب کے اقرار کرلیا اور

بولے :-

| نعم | ہاں ایسا ہی ہوا ہے ۔ |
|---|---|

حوادث و واقعات، مقدمات و معاملات کی تنقیح و چھان بین میں کن احتیاطوں اور دقیقہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا' اس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل فیصلہ صادر فرمانے کے پھر دریافت فرمایا ۔

| افنلت من امه | کیا تم نے (بلالؓ) کی ماں کے متعلق کچھ کہا ۔ |
|---|---|

حضرت ابوذر رضؓ نے اس کے جواب میں بھی وہی :-

| نعم | جی ہاں |
|---|---|

کے ذریعہ قصور کا اعتراف کیا ۔ اس کے بعد ایک کنانی النّسل عرب کو ایک حبشی غلام کے مقابلہ میں غلاموں کے مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مشہور خطاب ملتا ہے ۔

| انك امرء فيك جاهلية | تم ایک ایسے آدمی ہو' جس میں جاہلیت (گنوارپن) ابتک موجود ہے ۔ |
|---|---|

اِس کے بعد کتنا پرلطف فقرہ وہ ہے' جسے امام بخاری اپنی جامع میں حضرت ابوذر رضؓ سے روایت کرتے ہیں' اپنے ھادی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے "جاہلیت" کے خطاب پانیکے بعد مجذوب

ابوذر رضہ کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلتا ہے۔

| | |
|---|---|
| علی ساعتی ھٰذہٖ من کبر السن | کیا اس وقت بھی اتنی بڑی عمر میں (اب تک گنوار ہی ہوں) |

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| نعم | ہاں |

طبقات ابن سعد میں اتنا اور اضافہ ہے کہ

| | |
|---|---|
| ماذھبت اعرابتیك بعد۔ | اب تک تمہارا گنوارا پن تم سے زائل نہیں ہوا ہے |

اس زجر و توبیخ کے بعد آپ نے نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھانا شروع کیا کہ

"ابوذر! تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں (یعنی کسی کو اس کے محض غلام ہونے کے سبب سے ذلیل نہ سمجھو، جس طرح اپنے بھائی کو ذلیل نہیں سمجھتے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمہارے سپرد کر دیا ہے، چاہیئے کہ انھیں وہی کھانے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی کپڑے پہناؤ جیسے تم پہنتے ہو۔

ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ مغلوب و عاجز

آجائیں، اور اگر کبھی بضرورت تم کسی مشکل کام کی
تکلیف انھیں دو بھی تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔" لہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ابوذر کے کان میں ان لفظوں کو ڈال دیا لیکن اس کے بعد دیکھنے والوں نے ان کی برقی تاثیروں کو اس طرح دیکھا اور بار بار دیکھا، کہ حضرت ابوذر گھر سے باہر نکلے ہیں غلام بھی ساتھ ہے جو کپڑے اپنے بدن پر ڈالے ہوئے ہیں، ٹھیک اسی قسم کا پیراہن غلام کے دوش پر پڑا ہوا ہے، لوگوں نے ٹوکا بھی کہ حضرت آپ نے جو چادر غلام کو دے دی ہے اگر اسے بھی آپ ہی اوڑھتے تو لباس مکمل ہو جاتا۔ مگر وہی ابوذر جو کبھی ایک آزاد غلام کو بھی لونڈی بچہ کہنے سے نہیں جھجکتے تھے، آپ کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| اجل ولکن سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون | ہاں (یہ سچ کہتے ہو) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ کھلاؤ اپنے غلاموں کو اسی کھانے میں سے جسے تم خود کھاتے ہو، اور پہناؤ ان کو اسی کپڑے میں سے جسے خود پہنتے ہو۔ |

سچ کہا جس نے کہا ؎

لہ مسند احمد بخاری وغیرہ

ایں خرقۂ مئی آلود حافظ بخود نہ پوشید ؛ اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا

تاثیر و تاثر، فاعل و قابل میں جہاں کہیں بھی ایسا مضبوط و مستحکم رشتہ قائم ہوا۔ تسلیم و رضا جب کبھی بھی اس شکل میں رونما ہوئی جو فرمانِ رسالتؐ اور جانِ ابوذر کے درمیان تھی تو آپ یقین کیجئے کہ اس کے بعد تسلیم تسلیم نہیں رہتی۔ اطاعت و فرماں برداری کا زینہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ رضا، اضطرار و مجبوری کے قالب میں ڈھل کر رفتہ رفتہ عشق اور عشق کے بعد، جذب و وجد، وارفتگی کی صورت میں ظاہر ہو کر بالآخر برہم زنِ ایوانِ صبر و قرار، عقل ہوش ثابت ہوتی ہے۔

دنیا نے ہمیشہ اس کیفیت کو خواہ وہ کسی وجہ سے ہو، جنون و دیوانگی سے تعبیر کیا ہے اور مذہب تصوف کے محاورہ میں ایسے نفوس کو مجاذیب و بہالیل کا خطاب دیا گیا ہے۔

**مجذوبوں کی اصل اور ان کا سرچشمہ** اگرچہ اتنے اہم مسئلہ پر کوئی قطعی رائے قائم کرنی مشکل ہے تاہم واقعات کی رہنمائی میں اس کا سراغ ضرور ملتا ہے کہ جس طرح آج اسلام کی مختلف شاخیں مختلف اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں۔ اسی طرح طائفہ مجاذیب و بہالیل جو فقراء کی مشہور جماعت

اس کے سنگِ بنیاد خشت اول قرن صحابہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ تھے۔

حالات موجود ہیں۔ اس کی کھلی نشانیاں تم اس میں ڈھونڈھ سکتے ہو اور نہ صرف اس قدر بلکہ مجذوبوں کی اصلی حقیقت پر حضرت ابوذر رض کی سوانح حیات سے پوری روشنی پڑتی ہے۔ ایک معیار ملتا ہے جس پر زمانہ حال کے مجذوبوں کو جانچا جا سکتا ہے۔

**آپ کی مجذوبانہ وضع**

سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آئی ہے وہ آپ کی وضع اور ہیئت ہے۔ طبقات ابن سعد، مسند احمد و نیز دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بال پریشان رہتے تھے، ڈاڑھی بالکل الجھی ہوئی رہتی تھی۔ خود اس میں کبھی کنگھی وغیرہ نہیں فرماتے تھے۔ کوئی آدمی جب آپ کو اس حال میں دیکھتا تو پکڑ لیتا۔ نہلا دھلا کر کپڑے بدل دیتا، بال جھاڑ دیتا۔

قبیلہ بنی ثعلبہ کا ایک شخص آپ کی ہیئت کے متعلق راوی ہے

| | |
|---|---|
| مر بنا شیخ اشعث ابیضُ الرّاس واللحیۃ فقالوا ھٰذا مِن اصحاب رسول اللّٰہ | ایک بوڑھا آدمی ہمارے سامنے سے گذرا جس کے بال اُلجھے ہوئے پریشان تھے باوجودیکہ سر اور ڈاڑھی دونوں سفید ہو چکے۔ |

صلی اللہ علیہ وسلم فاستاذناہ ان تغسل راسہ فاذن لنا واستاء نس بنا[۱]

تھے، لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ہم نے یہ سن کر آپ سے اجازت مانگی کہ ہم آپ کے سر دھو دیں انھوں نے اجازت دی اور ہم سے مانوس ہو گئے۔

---

کتاب کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں۔ ورنہ خیال آتا ہے کہ کوفہ یا بیت المقدس کی مسجد میں ایک واقعہ اسی کے قریب قریب پیش آیا۔

**آپ کے حلیہ سے سراغ جذب**

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آپ کا حلیہ بیان کرتے ہیں وہ اس پر تو متفق ہیں کہ آپ دراز قد گھنے بال والے تھے، لیکن رنگ میں لوگوں کا اختلاف ہے طبقات میں ایک جگہ ہے کہ آپ گندم گوں تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ سیاہ تھا[۲]۔

عام محدثین اس تعارض کو جس طرح چاہیں دفع کریں۔ لیکن میرے خیال میں تو یہی آتا ہے کہ اصل رنگ آپ کا گندم گوں تھا مگر جو اس

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۴ مطبوعہ لیڈن ۱۲

[۲] طبقات صفحہ ۱۶۹ ج ۴ - ۱۲

سرمست و وارفتہ ہو اس کا رنگ میل کچیل گرد دھوپ سے اگر سیاہ پڑ جائے تو کیا تعجب ہے؟

**سڑکوں پر سجدے کرنا۔** | خصوصاً جب روایتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے بعض شاگرد سڑکوں اور عام شاہراہوں پر سجدے کیا کرتے تھے، جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ شاگردوں کی حرکت استاد ہی کی تقلید ہو گی۔ اس لئے نقل کرتا ہوں، کہ اس سے بھی آپ کی مجذوبانہ کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

مسند احمد میں ہے، ابو عوانہ اور سلیمان اعمش یہ دونوں کسی راستہ سے گزر رہے تھے، چلتے چلتے یہ سلسلہ جاری ہوا کہ انھوں نے مجھے قرآن سُنانا شروع کیا۔ اور میں نے اُن کو اس عرصہ میں جہاں سجدہ کی آیت آجاتی تو وہ سڑک ہی پر سجدے میں گر جاتے۔

میں نے کہا:۔

اتسجد فی السکۃ | کیا سڑک پر ہی سجدہ کرتے ہو؟

اس کے جواب میں وہ بولے کہ میں نے ابراہیم تیمی سے سُنا، وہ اپنے والد سے روایت کرتے تھے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ روئے زمین کی سب سے پہلی مسجد کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا مسجد حرام (کعبہ)۔ میں نے عرض کیا، پھر کون سی؟ آپؐ نے فرمایا، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس کی مسجد) میں نے عرض کیا دونوں کی تعمیر میں کتنا فاصلہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ چالیس[1] سال۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

| | |
|---|---|
| اینما ادرکت الصّلوٰۃ فصلِّ فھو مسجد۔ | جس جگہ بھی نماز کا وقت آجائے تم وہیں نماز شروع کردو کہ وہی مسجد ہے۔ |

اس حدیث سے سڑکوں پر سجدہ کرنے کی اجازت کا استنباط بظاہر حضرت ابوذر کی افتادِ طبع کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سڑک تو بہرحال کچھ نہ کچھ صاف ہوتی ہے اور سجدے کے لئے زیادہ گنجائش کی ضرورت بھی نہیں۔

حضرت ابوذر رضؓ کا تو یہ حال تھا کہ لیٹنے تک کے لئے وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کہاں لیٹ رہے ہیں کس جگہ لیٹ رہے ہیں نحو کے امام[2] اوّل حضرت ابوالاسود دوٴلی سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضؓ اپنے ایک تالاب سے کھیتوں کو پانی دے رہے تھے۔ چند مسلمان ادھر سے گزر رہے تھے، حضرت ابوذر رضؓ کو

---

[1] غالباً غرض یہ ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد کی بنیاد تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد رکھی! بائبل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل کیلئے غایۃ البرہان امروہی دیکھنا چاہئے۔

[2] مسند احمد ص ۱۵۲ ج ۵ ۱۲۰

کو دیکھکر انھیں خیال آیا کہ کاش! ایسے مقدس بزرگ کے موئے مبارک ہاتھ آجاتے تو کیا اچھا ہوتا، آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کوئی ہے، جو اس کام کو انجام دے۔ ان میں سے کسی ایک نے اِس مہم کا بیڑا اُٹھایا، اور بولا ہاں، میں اس کام کو کرتا ہوں۔ یہ کہکر وہ تالاب پر پہنچا، لیکن (بدقسمتی سے شاید اضطراب میں اس سے کچھ ایسی حرکت سرزد ہوئی) کہ تالاب کا کنارہ اسکی حرکت سے ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ وہیں تالاب کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور پھر بیٹھنے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اسی (مرطوب کیچڑ سے بھری ہوئی زمین) پر لیٹ گئے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حضرت یہ آپ یکایک بیٹھ کیا گئے اور بیٹھنے کے بعد لیٹے کیوں؟ حضرت ابوذر رضہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

"اے شخص مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے، اور وہ کھڑا ہوا ہے تو چاہیئے کہ فوراً بیٹھ جائے کہ اس سے غصہ جاتا رہتا ہے، ورنہ پھر لیٹ جائے۔"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضہ کو تالاب کے توڑنے

والے پر کچھ غصہ آگیا تھا۔ اسی کے علاج کے لئے آپ بیٹھے، لیکن مجذوبانہ غصہ تھا، نہ اترا لیکن محمدی جذب کا اثر دیکھو! کہ جذب کے ساتھ اس کا بھی ہوش باقی ہے کہ ایسے موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہدایت ہے، اس پر عمل کرتے ہوئے آپ اسی زمین پر لیٹ جاتے ہیں، خدا جانے اس کے بعد اس بیچارے نے جس ہم کے سر کرنے کا وعدہ اپنے رفیقوں سے کیا تھا وہ سر ہوا بھی یا نہیں، کہ روایت اس پر ختم ہو گئی ہے۔ مجھے تو اس روایت سے صرف یہ دکھانا تھا کہ جو آدمی اتنی لاپروائی کے ساتھ تالابوں اور کنوؤں کے کنارے کی مرطوب زمینوں پر اس طرح لیٹ جاتا ہو کیا بعید ہے کہ سڑکوں پر سجدہ کرنے کا طریقہ شاگردوں نے اپنے اسی استاد سے سیکھا ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

## وارفتگی اور استغراق

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام سفروں میں سب سے زیادہ دشوار اور زیادہ مشکل سفر تبوک کا تھا۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ سے بھی اس کی شرکت میں زلت ہوئی جس کے واقعات عام طور پر مشہور ہیں۔ بہرحال اس غزوہ میں حضرت ابوذر بھی شریک تھے۔ عام طور پر چونکہ امتحان اور جانچ کا موقع تھا۔ صحابہ ایک دوسرے پر نظر رکھتے تھے،

کوئی آنکھیں بچا کر نکل تو نہیں جاتا ہے۔ اتفاق سے حضرت ابوذرؓ حسب عادت ایک دن قافلہ والوں سے پیچھے رہ گئے! نگاہیں تو بکھری ہوئی تھیں۔ فوراً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا کہ "ابوذر بھاگ گئے، بھاگ گئے"

سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے گوش اقدس تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ پر حضرت ابوذرؓ کی وفاشعار فطرت آئینہ کی طرح واضح تھی۔ آپ نے مدتوں کے تجربہ کے بعد یقین کر لیا تھا کہ ابوذر کے سینہ میں جو دل ہے وہ کبھی ابوذر کے پاؤں کو پیچھے لوٹا نہیں سکتا۔ لیکن آپ مجبور تھے۔ اس وقت صحابہ کی ان چہ می گوئیوں کا کیا جواب دیتے، صرف اس قدر فرما کر

"چھوڑ دو، اس کو چھوڑ دو! اگر اس کی ذات میں
کوئی بہتری ہو گی تو خداوند تعالیٰ خود تم لوگوں سے ملا دیں گے"

اِس قدر فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو زبانِ مبارک چُپ تھی، لیکن دل میں حضورؐ کے یہ تمنا تموج پذیر تھی کہ کاش ابوذر ملنے میں جلدی کرتا۔ اور لوگوں کو جو اس کی جانب سے بدگمانی ہو گئی ہے وہ جلد دُور ہو جاتی۔

آخر یہی ہوا کہ یکایک آپ کو ہوش آیا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو قافلہ غائب ہے۔ نہ صحابۂ کرام ہیں نہ وہ ہیں جن کو دیکھ لینے کے بعد ابوذر پھر کسی چیز کو دیکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے بچھڑنے کا انھیں ادھر احساس ہوا۔ اور دل تھا کہ عجلت اور تیزی کی آرزو میں ڈوب گیا اونٹ کچھ تو قدرتاً سست تھا، پھر نکیل کو ڈھیلی پاکر بہت زیادہ دھیما ہو گیا تھا، آپ نے ایڑ لگائی، کوڑے لگائے لیکن لوگ میلوں آگے نکل چکے تھے۔ ان کا چھو لینا دشوار ہو گیا اور یہاں بے تابی حد سے زیادہ گزر رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیجئے، آخر تھک کر آپ اونٹ سے اتر پڑے، جو کچھ سامان سر پر لاد سکے لاد لیا۔ اونٹ کو مع پالان وغیرہ کے وہیں چھوڑ کر دوڑتے ہوئے تلاشِ محبوب میں قدم بڑھانا شروع کیا۔

انجامِ کار ہانپتے کانپتے قافلہ کے قریب آ لگے، کسی صحابی کی نظر پڑی کہ کوئی شخص پیادہ پا بعجلت تمام آرہا ہے۔ لوگوں کو خیال تھا حضرت ابوذرؓ اونٹ پر سوار ہیں، اس لئے یہ کوئی اور شخص ہے فوراً غل ہوا کہ کوئی آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں نے اطلاع دی کہ جنگل میں کوئی اکیلا تن تنہا پیادہ پا آرہا ہے۔ غرض کہ ہر شخص "کوئی آرہا ہے، کوئی آرہا ہے" کی آواز بلند کر رہا ہے

لیکن حضورؐ نے جب دیکھا، تو ارمان بھرے دل سے جو آواز نکلی آہ! کہ وہ یہ تھی۔

کن اباذر کن اباذر — ابوذر ہی ہو ابوذر ہی ہو۔

ان لفظوں میں کیا مسیحائی ہے؟ تم کو کیا معلوم، قتیلانِ ناز سے پوچھو! کہ اس کلمۂ اعجاز میں کتنے مٹے ہوؤں کی جانیں پوشیدہ ہیں۔ اللہ اللہ سرباختہ ابوذر کی اس موت کو دیکھکر رحم آتا ہے اور یوں زندہ کیا جاتا ہے۔ ابوذر اپنی ہستی کو کھو بیٹھے تھے۔ اور جو اس طرح اپنی متاع کھوتا ہے وہ یوں ہی پاتا ہے اور لباسِ وجود دوبارہ اسے اسی طرح پہنایا جاتا ہے ؎

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ جو لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ جو دریا نہ ہوا

نہیں ہوسکتا تھا کہ ادھر سے یہ اعجازانہ الفاظ نکلیں اور دوسری طرف سے گم ہونے والا ابوذر پھر پیدا نہ ہو۔ آخر یہی ہوا۔ چند ہی منٹ کے بعد صحابہ میں غل ہوا کہ "ابوذر ہی ہیں، ابوذر ہی ہیں"۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا، یہ سنتے ہی آپؐ حضرت ابوذرؓ کی طرف ایک رحم انگیز نگاہ ڈالتے ہوئے یہ الفاظ فرمانے لگے۔

رحمۃ اللہ اباذر یمشی — اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائیں بے چارہ

وحدہٗ ویموت وحدہٗ ویبعث وحداہ[1] | اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔

## مجذوبانہ لباس

آپ کسی خاص لباس کے رہین منت نہ تھے جو جس قسم کا کپڑا پہنا دیتا، پہن لیتے۔ کبھی کبھی لوگوں نے حلۂ قطریہ کو آپ کے جسم مبارک پر دیکھا ہے جو عرب کے بہترین لباسوں اور جوڑوں میں خیال کیا جاتا تھا۔ اور کبھی نہایت ہی خستہ و شکستہ خرقہ وگودڑ میں پھرتے، نہ آپ کو اس کی خوبصورتی اور شان کی کوئی پروا تھی۔ اور نہ ان ذلیل کپڑوں کی وجہ سے آپ دل تنگ ہوتے تھے۔ کبھی کوئی کپڑا نہ ملتا تو کمبل ہی اوڑھ کر باہر نکلتے، ایک دن آپ بدوؤں کا سا کمبل ہی اوڑھے ہوئے تشریف لے جارہے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ "آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا؟" جواب میں فرمایا "کہ ہوتا تو تم اس کو ضرور میرے بدن پر دیکھتے" اس شخص نے کہا "کل دو دن ہوتے ہیں، کہ آپ پر میں نے نہایت عمدہ جوڑا دیکھا تھا (وہ کیا ہوا؟)"
بولے "کہ تھا تو! لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا، جو اس کا محتاج مجھ سے بھی زیادہ تھا۔ اس لئے اسکے حوالہ کر دیا"

---

[1] صحاح زاد المعاد ۱۲ - [2] مسند احمد ۱۲۔

اس شخص نے کہا۔" کہ ہرگز نہیں، آپ سے زیادہ محتاج اس کپڑے کا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ یعنی جس شخص کے پاس بجز پھٹے پُرانے کمبل کے اور کچھ نہ ہو، اس سے زیادہ اور کون محتاج ہو سکتا تھا۔)"

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کی ضد کو دیکھکر آگ بگولہ ہو گئے، اور نہایت کرخت لہجے میں فرمانے لگے "خدا تجھے بخشے تو دنیا کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے، کیا میرے جسم پر یہ چادر نہیں (یعنی گو کمبل ہی کی ہے، لیکن ہے تو) اور اس شخص کے پاس تو یہ بھی نہ تھی اور کیا ایک چادر نماز پڑھنے کے لئے میرے پاس نہیں؟" پھر فرمایا:-

اے شخص! میرے پاس بکریاں ہیں، جن کا میں دودھ پیتا ہوں اور میرے پاس گدھے ہیں، جن پر بازار کی چیزیں خرید کر لاتا ہوں، غلام ہیں جو میری خدمت کرتے ہیں اور کھانے پکانے میں میری مدد کرتے ہیں۔ اور ہاں عید۔ بقر عید کے لئے ایک عبا بھی میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ پس تم خود انصاف کرو کہ ان نعمتوں سے بڑھکر بھی کوئی نعمت ہو سکتی ہے؟ بلکہ جو عبا میرے پاس زائد ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے اس کا محاسبہ[1] نہ ہو۔

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲ حلیۃ الاولیاء ص ۱۳۲ ۱۲

**بسترِ مبارک** عموماً سونے، لیٹنے، بیٹھنے کے لئے ٹاٹ استعمال فرمایا کرتے تھے، کسی نے عرض کیا کوئی نرم گدا اپنے لئے کیوں نہیں بنوا لیتے، ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے۔

"خدایا دنیا میں تونے جو چیزیں اپنی مرضی سے عطا کی ہیں، میں اس کے متعلق بھی مغفرت کا طلبگار ہوں۔"

غالباً مطلب یہ تھا کہ نعمتوں کا لینا آسان نہیں۔ نعمت کے بعد اس کے حقوق جو منعموں پر عاید ہوتے ہیں مشکل ہے بھول جانے والے ناقدر انسان کا ان حقوق سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے، کس حد تک اس کا شکر ادا کرسکا۔ اپنے دوسرے ہم جنسوں قرابتداروں عزیزوں کے جو حقوق اس میں پیدا ہوگئے۔ کہاں تک اسے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک طرح سے پہنچا سکا بس سچ تو یہ ہے کہ ہر نعمت کے بعد بھی تقصیرات کے عذر بھی اسی قدر کرنے چاہئیں، جتنی ہماری تقصیریں ہیں۔

**آپ کی عبادت پر جذب کا اثر** حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ گمان کہ وہ نماز، روزہ یا دیگر شرعی تکلیفات سے آزاد ہوگئے ہوں گے، ان کی کیفیت کو ناقص اور غیر مکمل بنا دیتا ہے، نماز کی پابندی تو اور بات ہے یہ بھی کوئی

ثابت نہیں کر سکتا کہ انھوں نے وقت سے ٹال کر کوئی نماز پڑھی ہو کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی کے ساتھ ان کو وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید کی تھی۔

آپ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے کہ کونسا عمل افضل ہے تو آپ یہی فرماتے کہ وقت پر نماز پڑھنی[1]، اور نہ صرف اس قدر بلکہ آپ نے تاکید کی تھی کہ ابوذر! اگر امراء نماز میں تاخیر کریں اور وقت سے ٹال کر پڑھیں تو تم اپنی نماز وقت پر پڑھ لیا کرو اور پھر ان کے ساتھ مسجد میں آکر شریک ہو جاؤ۔ یہ نماز تمہارے لئے نفل[2] ہو جائے گی۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا، کہ حضرت ابوذر پر باوجودیکہ جذب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا، لیکن آج تک کسی روایت سے باوجود تجسس کے مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ سے کسی وقت کی نماز چھوٹی ہو، ہاں اس کے برخلاف البتہ روایتیں ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہانے کی ضرورت ایسے مقام پر ہوئی کہ وہاں پانی موجود نہ تھا۔ تیمم کا مسئلہ آپ کو چونکہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے دوڑتے ہوئے مدینہ کی

---

[1] مسند احمد ۱۲ [2] طبقات ابن سعد ۱۲

طرف روانہ ہوئے۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر چلانے لگے۔

هلكتُ يا رسول الله | میں تباہ ہو گیا یا رسول اللہ

آپ نے پوچھا "کیوں، کیوں"؟ بولے کہ "میں جہاں تھا وہاں میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی۔ مجھے نہانے کی ضرورت ہوئی اب کیا کرتا نماز قضا ہو گئی"۔ گویا اسی کو اپنی ہلاکت سے تعبیر کر رہے تھے۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیمم کا طریقہ بتایا۔

نماز چھوڑتے تو کہاں تک۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ نماز کے مسئلہ میں آپ کا انہماک اس درجہ پہنچا ہوا تھا کہ خود ہی فرماتے ہیں۔ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز کے بعد بھی اٹھنا نہیں چاہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اپنی قیام گاہ کی طرف اُٹھ کر چلے گئے۔ جب آپؐ نے اچھی طرح اندازہ کر لیا، کہ لوگوں کی آنکھیں گھنا گئیں (یعنی بند ہو گئیں لوگ سو گئے) اور سناٹا ہو گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس مقام پر تشریف لائے جہاں عشاء کی نماز پڑھائی تھی اور تنہا نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، میں تاک میں تھا جھپٹ کر

آیا اور نیت باندھ کر حضورؐ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ میرے داہنے جانب کھڑے ہو جاؤ، میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ابن مسعود بھی (جو غالباً اسی فکر میں کہیں چھپے بیٹھے تھے) وہاں پہنچے، چاہا کہ کھڑے ہوں، حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ میرے بائیں جانب کھڑے ہو جائیں۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں اس کے بعد ہم دونوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں صرف ایک ہی آیت کو دُہرانا شروع کیا، بعض روایتوں میں ہے کہ حضور روتے جاتے تھے۔ بہرحال حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ "حضور نے اسی آیت کو اتنی بار دہرایا کہ صبح کا سپیدہ طلوع ہو گیا۔ اور لوگوں کے ساتھ آپ نے نماز فجر ادا کی۔ ہم اور ابنِ مسعود اس کے بعد جب آپس میں ملے تو میں نے ابن مسعود سے کہا کہ حضور سے پوچھتے کیوں نہیں کہ رات آپ کیا شغل فرما رہے تھے۔ عبداللہ بن مسعود نے ہاتھ ہلا کر کہا نہیں بھائی میں کوئی بات حضور سے خود نہیں عرض کر سکتا۔ جب تک آپ ہی اس کے متعلق کچھ نہ فرمائیں۔ تب میں نے خود جرأت کی (اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذر کو بارگاہِ نبوت میں اس سے زیادہ فراخیاں حاصل تھیں، کہ جس طبقہ سے آپ کا تعلق تھا، ان معاملات میں ان کے ساتھ عموماً نرمی ہی کا برتاؤ کیا جاتا ہے

بہرحال دل مضبوط کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جیسا کہ ان لوگوں کے متعلق مشہور ہے کہ "درکارِ خویش ہشیار" اس سے نہیں چوکتے۔ بڑے مزے سے تمہید اُٹھاتے ہوئے عرض کرنے لگے۔

| | |
|---|---|
| بابی انت وامی قمت بٰایۃٍ مِن القرآن ومعك القرآن۔ | آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ نے ایک ہی آیت کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ آپ کو تو پورا قرآن یاد ہے۔ |

اس کے بعد فرماتے ہیں اور کتنے معصومانہ لہجے میں فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| لو فعل ھٰذا بعضنا لوجدنا علیہ ؎ | اگر ہم میں سے کوئی اور آدمی یہ کرتا تو ہم اس سے بگڑ جاتے۔ |

اس کے جواب میں امتِ مرحومہ کے رؤف و رحیم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جو کچھ فرمایا خدا جانے کتنوں کو دیوانہ بنانے کے لئے کافی ہے، ارشاد ہوا۔

"اپنی امت کے لئے گڑگڑا رہا تھا"

حضرت ابوذر کی زبان کھل چکی تھی، اب کیا رکتی۔ سوال آگے بڑھا۔ پوچھنے لگے کہ

"تو پھر آپ کو کیا جواب ملا؟ اور حق تعالیٰ نے کیا فرمایا"۔

گناہگاروں کے شفیع، آقائے کرم گستر نے اس کے جواب میں فرمایا

"مجھے وہ جواب ملا کہ اگر اس کی بھنک بھی لوگوں

کو مل جائے تو لوگ نماز میں چھوڑ بیٹھیں[1]"

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دوسرے حال میں

تھے جوش سے سینہ معمور تھا، عالم سرمستی میں بولے۔

"تو کیا دنیا کو یہ بشارت سنا دی جائے"؟

رحمتہ للعٰلمین کا سمندر بھی اپنی انتہائی مد اور چڑھاؤ پر تھا،

ارشاد ہوا کہ بَلیٰ، کیوں نہیں۔

بَلیٰ کی آواز میں بَلا کی طاقت تھی، سننا تھا کہ ابوذر اٹھے اور

اس مژدے کے اعلانِ عام کے لئے چل پڑے، کہتے ہیں کہ جا ہی رہا

تھا اور اتنی دور پہنچا تھا جہاں تک کسی پتھر پھینکنے والے کا پتھر

پہنچ سکتا ہے کہ اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اٹھ کھڑے ہوئے اور دربارِ رسالت میں عرض کرنے لگے۔

---

[1] بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کر رہا تھا اور میری امت میں جو شرک سے بچا رہا وہ اس شفاعت کو پا کر رہے گا۔ یعنی ھی نائلہ لمن لا یشرک باللہ شیئاً ص ج ۳

| | |
|---|---|
| انك ان تبعث الى الناس بهذه تكلوا عن العبادة | اگر لوگوں کے پاس یہ بشارت بھیجی جائیگی تو وہ عبادت سے روگرداں ہو جائیں گے۔ |

اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضؓ کو آواز دی کہ " واپس ہو جاؤ " وہ واپس ہو گئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس قصّہ کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ وہ آیت جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر تکرار فرماتے رہے وہ یہ تھی۔

| | |
|---|---|
| ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم[۱] | اگر آپ انھیں سزا دیں گے تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں گے تو آپ سب پر غالب ہیں (کون آپ سے پوچھنے والا ہے) اور حکمت والے ہیں |

اگرچہ قرآن میں یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی ادا کیگئی ہے لیکن مسیح اگر تین خداؤں کے ماننے والوں کے لئے یہ عرض داشت بارگاہِ رب العزت میں پیش کر سکتے ہیں تو ظاہر کہ اللہ احد کی پوجنے والی اُمّت کے متعلق رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے پیش

---

[۱] البیہقی اور حلیۃ الاولیاء میں ان روایتوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ سنن بیہقی کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ نہ صرف قیام ہی میں، بلکہ رکوع و سجود الغرض نماز کی ہر ہیئت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی آیت کو دہرا رہے تھے۔ صفحہ ۱۴ ج ۲

کرنے سے کیوں جھجکتے۔

بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بشارت کی تبلیغ سے روک دیئے گئے۔ لیکن خود ان تک تو یہ بشارت پہنچ چکی تھی، پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ خود ہی فرماتے ہیں، اور غالباً اس واقعہ کے بعد فرماتے ہیں

"رمضان کا آخری عشرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہو گئے۔ بائیسویں ۲۲ کی عصر کی نماز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا" ہم آج کی رات انشاء اللہ قیام کریں گے، پھر تم میں جس کا جی چاہے وہ میرے ساتھ قیام کر سکتا ہے۔ اور یہ تیئس ۲۳ کی شب تھی نماز عشاء کے بعد حضور نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی یہاں تک کہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا۔ اس وقت تشریف لے گئے۔ پھر چوبیس ۲۴ کی رات آئی، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز ادا نہیں کی، چوبیس کی نماز عصر کے بعد پھر ارشاد فرمایا، انشاء اللہ میں رات قیام کروں گا، تم میں سے جس کا جی چاہے وہ قیام کر سکتا ہے۔"

یہ پچیس ۲۵ کی رات تھی۔ تہائی رات گزرے یہ نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی رہی۔ چھبیس ۲۶ کی رات آئی تو آپ نے کچھ نہیں فرمایا، لیکن اسی چھبیسویں ۲۶ کی عصر کے بعد پھر فرمایا کہ آج شب کو بھی انشاء اللہ میں قیام کروں گا۔ یعنے ستائیسویں ۲۷ کی شب میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا جی چاہے وہ قیام کر سکتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے

| | |
|---|---|
| فتجلدنا للقیام | بڑی مضبوطی کے ساتھ ہم لوگ قیام کے لئے تیار ہوئے۔ |

فرماتے ہیں کہ آج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے دو تہائی حصہ تک قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نماز سے فارغ ہوکر اپنے اس قبہ میں تشریف لے گئے، جو مسجد ہی میں آپ کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ میں نے جاکر عرض کیا۔

| | |
|---|---|
| کنا لقد طمعنا یارسول اللہ ان تقوم بنا حتی تصبح | یا رسول اللہ ہم لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ آپ آج کی رات صبح تک ہم لوگوں کے ساتھ قیام |

فرمائیں گے۔

اگرچہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ کی یہ تشفی فرمادی۔

یا اباذر انك اذا صلیت مع امامك وانصرفت اذا انصرف کتب لك قنوت لیلیتك۔

ابوذر جب تم اپنے امام کے ساتھ اس نماز (عشا) کو ادا کرلو اور امام کے ساتھ تم بھی نماز سے فراغت حاصل کرلو تو تمہارے لئے شب بھر کے قنوت (قیام اللیل) کا ثواب لکھا گیا۔

---

لیکن مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے، وہ جو عبادتِ حق کو اپنے وجود کا نصب العین اور قیمت قرار دے کر، جبراً نہیں بلکہ شکراً اپنی تمام عاجزانہ اعتراضات کے ساتھ مالک کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اثر یقیناً ان اثرات سے مختلف ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے جو ان پر مترتب ہو سکتے ہیں جن کی نارسائیوں نے اب تک ان کو اس کے پہنچنے کا موقع نہیں دیا کہ جب سب کچھ انسان کے لئے ہے تو آخر انسانی وجود بھی اپنے اندر کوئی مقصد رکھتا ہے یا نہیں۔ اور آہ! کہ رب کو بھلا دینے والوں میں کیا کیجئے کہ ان ہی کی زیادہ کثرت ہے جنھوں نے خود اپنے آپ کو اپنے حافظہ سے باہر کر دیا ہے وہ عالم کی ہر چیز

کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ کس لئے ہے۔ ہوا کس لئے ہے۔ پانی کس لئے
ہے برق کس لئے ہے۔ اور سٹیم کس لئے ہے۔ لیکن افسوس ہے ان پر کہ انھوں
نے کبھی اپنے متعلق نہیں پوچھا کہ خود ہم کس لئے ہیں۔ پس اگر حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر اس بشارت کی بھنک ہی ان کو مل جائیگی
تو وہ عبادت ترک کر بیٹھیں گے یا جس کی تصدیق حضرت فاروق اعظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی کہ وہ عبادت سے پھر جائیں گے۔ یقیناً
اس کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو انسانی ہستی کو سلسلہ موجودات
کی ایک سری اور عبث ترین ہستی ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ ورنہ آپ نے
دیکھا کہ ابوذرؓ ان بشارتوں کو سنتے بھی جاتے ہیں، اور اس کے ساتھ
یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ ہماری آرزو تو یہ تھی کہ آج حضورؐ ہم لوگوں کے
ساتھ صبح تک قیام فرماتے۔ یہ ہے جذب کی وہ حقیقی قسم جس میں انسان
کھنچتا ہے، اپنی تمام آرزوؤں اور خواہشوں سے کھنچتا ہے اور اتنا
کھنچتا ہے کہ بجز مرکز وجود کے اس کے لئے پھر کہیں چین نہیں اور
یہی معنی ہیں مجذوب کے۔ سب سے کھنچ کر صرف ایک ہی کے اندر
جذب ہو کر وہ رہ گیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنھم و رضوا عنہ

بہر حال نماز آپ سے کبھی نہیں چھوٹی اور نہ فرائض میں کسی قسم
کی بے اعتدالی آپ سے منقول ہے۔ ہاں نوافل میں بھی کبھی جوش

وسرمستی غلبۂ حال کے وقت بعض ایسی باتیں آپ سے سرزد ہو جاتی تھیں، جہاں جذب کا رنگ آپ کو تمام صحابہ سے ممتاز کر دیتا تھا

زید بن مطرف کہتے ہیں کہ ہم ایک قریشی حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور نمازیں پڑھنا شروع کیں، میں نے جو غور کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہوا پھر رکوع میں گیا اور سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اسی طرح پھر سجدہ میں گیا اور بغیر قعدہ یعنی بیٹھنے کے پھر کھڑا ہو گیا۔ الغرض وہ صرف رکوع، سجدے کر رہا ہے، لیکن قعدہ نہیں کرتا (چونکہ دوسری رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے) اس لئے زید نے کہا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس کو اس کی بھی خبر نہیں کہ جفت رکعتوں پر سلام پھیرنا چاہیئے یا طاق پر۔

لوگوں نے کہا "کہ بے چارہ اگر غلط پڑھ رہا ہے، تو تم جا کر سمجھا دو!

زید اُٹھے قریب آئے اور کہا۔

"خدا کے بندے! آپ کو اس کی بھی خبر ہے یا نہیں کہ کہاں پر سلام پھیرنا چاہیئے اور کہاں بیٹھنا چاہیئے جفت پر یا طاق پر؟"

اس شخص نے کہا ——————

"کہ مجھ کو اگر خبر نہیں ہے تو خدا کو خبر ہے اور میں ان باتوں کو نہیں جانتا۔ میں نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین کام کر دیتے ہیں۔

(۱) ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں (۲) ایک نیکی لکھ دیتے ہیں (۳) ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ حساب وکتاب سے ہم واقف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی یہ تعریف کی ہے، پس ہم سجدے کرتے رہتے ہیں۔ رہا گن کر، یہ سمجھنا کہ اب ہم اتنے کے حقدار ہو گئے ہیں اس کی ضرورت نہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن     کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

زید کو آپ کی اِس قسم کی باتوں سے حیرت ہوئی پوچھنے لگے کہ آپ ہیں کون صاحب؟"

حضرت نے فرمایا، ابوذر

یہ سُننا تھا کہ زید کے ہوش اُڑ گئے اور اپنی مجلس کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے۔

"تم لوگ نہایت بُرے ساتھی ہو، مجھے تم نے اس لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو تعلیم دوں [۱]"

الغرض کبھی کبھی نوافل میں حضرت ابوذر رضؓ سے اس قسم کی بے ضابطگیاں ضرور ثابت ہیں، اگرچہ وہ اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تاہم حضرت ابوذر رضؓ کا جو حال تھا اس کو پیش نظر رکھنے کے بعد علمائے شرع بھی اُس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اور اگر آج بھی کسی کا وہی حال ہو جائے جو ابوذر رضؓ کا تھا اور پھر ایسے شخص سے نوافل وغیرہ میں اس قسم کی باتیں سرزد ہوں تو ان پر نکیر نہیں کرنا چاہیئے۔ اور سچ تو یہ ہے، کہ حضرت ابوذر کی زندگی میں جس نوعیت کے واقعات ملتے ہیں اگر ان کی توجیہ اس بنیاد پر نہ کی جائے، جو میرا خیال ہے تو شرعاً پھر اس کی تصحیح کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی۔

**جمعہ کی نماز یا خطبہ میں کلام**

نہ صرف نماز بلکہ جمعہ کے خطبہ میں بھی کلام کرنا ناجائز ہے، اور فقط کلام ہی نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کے متعلق ایک مشہور روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[۱] مسند احمد ۱۲

"جب تم میں کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو، تو اس کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ رحمتِ الٰہی اس کے سامنے ہے پھر کنکری تک نہ ہلاو[1]"

اِسی طرح خطبۂ جمعہ کے متعلق بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی کنکریوں سے بھی نہ کھیلے! لیکن سنیئے! حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا حال سنیئے! ابتدائے اسلام کا واقعہ نہیں ہے، جس وقت نماز وغیرہ میں کلام اور حرکت کی ایک حد تک اجازت تھی، بلکہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ سورۂ برات جو قرآن مجید کی آخری سورتوں میں ہے اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے نازل ہونے کی بھی خبر نہیں ہوئی تھی، گویا ان ہی دنوں میں اُتری تھی بہرحال اسی زمانہ کا یہ عجیب واقعہ جسے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیہقی نے اپنے متن میں روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت خطبہ پڑھ رہے تھے میں مسجد میں داخل ہوا، اور ابی بن کعبؓ کے پاس بیٹھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ برات پڑھنی شروع کی (روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ہی

---

[1] مسند احمد ۱۲

میں یہ سورۃ پڑھنی شروع کی یا نماز میں ؟) حضرت ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اُبیؓ سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی؟ لیکن وہ خاموش رہے اور کچھ نہ بولے۔ جب رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اُبیؓ سے پوچھا کہ تم نے بھائی مجھے جواب کیوں نہیں دیا۔ اُبیؓ نے اس کے جواب میں کہا۔

| | |
|---|---|
| مالك من صلاتك الا ما لغوت۔ | تم کو اپنی نماز سے لغو گوئی کے سوا کچھ نہ ملا۔ |

حضرت اُبیؓ کی زبان سے یہ فتویٰ سنتے ہی حضرت ابوذر رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے۔

| | |
|---|---|
| كنتُ بجنب اُبَيَّ وانت تقرء براة فسالتُه متى نزلت فتجهمني ولم يكلمني ثم قال مالك من صلاتك الا ما لغوتَ | میں اُبیؓ کے پہلو میں تھا آپؐ نے سورۂ برات پڑھی۔ میں نے اُبیؓ سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی؟ تو مجھ سے منہ بگاڑ لیا اور مجھ سے نہ بولے، پھر (نماز کے بعد) کہا کہ تم کو اپنی نماز سے لغو گوئی کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ |

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سن کر صرف اسقدر فرمایا

| صدق اُبیّ | ابی نے سچ کہا۔ |
|---|---|

سوال یہ ہے کہ حضرت ابو ذرؓ جمعہ کی نماز میں اسوقت مسجد میں آتے ہیں جب خطبہ شروع ہو چکتا ہے۔ حالانکہ بتکبیر یعنی سویرے آنے کی جمعہ کی نماز میں سخت تاکید ہے۔ اور عموماً عہدِ نبوت بلکہ عہد خلافتِ راشدہ میں بھی تاخیر کرنے والوں سے باز پرس ہوتی تھی اس کے سوا اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذرؓ کی یہ گفتگو نماز میں ہوئی۔ لیکن حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا۔

| مالك من صلاتك الا ما لغوت | تم کو اپنی نماز سے صرف لغو گوئی ملی |
|---|---|

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغو گوئی نماز میں واقع ہوئی تھی۔ نیز حضرت ابوذر کا یہ کہنا کہ کنت بجنب ابی (میں اُبیّ کے پہلو میں تھا) بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نماز ہی کا ہے اور نماز کا نہ بھی ہو تو خطبہ میں ہونا تو اس کا قطعی ہے۔ اور کلام کے عدم جواز کا حکم جس طرح نماز میں ہے خطبہ میں بھی ہے۔ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہؓ نماز جمعہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے ما لم یلغ[1] (لغو گوئی سے پرہیز کرتا رہے) کی قید لگاتے تھے۔ مگر باوجود اِن تمام باتوں کے

---

[1] مسند احمد ص ۱۸۱/۱۸۲ ج ۳ - ۱۲

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان تمام امور کے مرتکب ہوئے اور بارگاہِ نبوت سے اگرچہ حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے فتویٰ کی توثیق ہوئی، لیکن ابوذر کو بھی کچھ سمجھایا گیا۔ کوئی سرزنش کی گئی۔ کچھ پوچھا گیا؟ روایت اِس سے ساکت ہے۔ ایسی صورت میں بجز اِس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے، کہ ابوذر رضہ جس حال میں تھے اس میں ان امور کی گنجائش تھی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

**امامت کے لئے پیش قدمی**

قطع نظر اس کے کہ شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ کسی دوسرے کی مسجد یا دوسروں کے گھر میں بغیر اس مسجد کے امام اور مالک خانہ کی اجازت کے امامت کے لئے خود پیش قدمی نہ کرنی چاہیئے، یوں بھی آدمی دوسرے کے گھر میں امامت سے شرماتا ہے، خود ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو کچھ امامت کرنے کا خواہ مخواہ شوق بھی نہ تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جب رَبذہ جس کا ذکر آئندہ آتا ہے پہنچے وہ ایک معمولی جگہ تھی۔ اونٹوں کا چرانے والا ایک حبشی غلام چند لوگوں کے ساتھ نماز پڑھایا کرتا تھا، حسب دستور وہی امامت کے لئے آگے بڑھا، لیکن حضرت ابوذر رضہ کو دیکھ کر پیچھے ہٹا۔ اور اشارہ کیا کہ آپ آگے بڑھیں، لیکن آپ نے

فرمایا۔ کما انت جس طرح کھڑے ہو کھڑے رہو، یعنی امامت کراؤ!

ایک اونٹ چرانے والے کے ساتھ آپ کا یہ حال ہے۔ اب عالم وارفتگی کا ایک واقعہ سُنیئے۔ انصاریوں کے ایک آزاد کردہ غلام ابو سعید نامی نے حضرت ابوذر رض، عبداللہ بن مسعود رض، حضرت حذیفہ رض کی دعوت کی۔ نماز کا وقت آیا تو مالکِ خانہ کے بغیر اجازت کے بڑے بڑے صحابیوں کے ہوتے ہوئے، حضرت ابوذر رض خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے۔ حضرت حذیفہ رض نے ٹوک دیا، فرمایا، ابو ذر پیچھے ہو جاؤ۔ یعنی مالک خانہ کی اجازت کے بغیر تم خود کیسے آگے بڑھ گئے اب ہوش آیا، پلٹ کر حضرت ابن مسعود رض سے پوچھتے ہیں۔ أكذاك ابن مسعود۔ کیا مسئلہ یوں ہی ہے ابن مسعود ؟ انھوں نے فرمایا ہاں سنتے ہی آپ پیچھے ہو گئے (بیہقی ص۱۲۶ ج ۳) کیا حضرت ابوذر کے اِن حالات کی یہ تاویل نہ کی جائے تو یہ کیا مان لیا جائے کہ وہ بھی اس زمانہ کے ان عالموں میں تھے، جن کو خواہ مخواہ امامت کا شوق ہوتا ہے ہاں قصداً ہوش و حواس رکھتے ہوئے اگر کوئی ان باتوں کا ارتکاب کرے گا، خواہ نفل ہی کیوں نہ ہو تو یہ یقیناً ناجائز ہے

کہ دین کے ساتھ تلاعب ولہو کے مترادف ہے۔

الحاصل ان چند واقعات کے درج کرنے سے میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ حضرت ابو ذر رضؓ کو میں نے جو کچھ سمجھا ہے، دیکھنے والے غور کریں کہ آیا اس کا کوئی منشا ہے بھی یا نہیں اور اسی لئے میں اپنے دعویٰ کو زیادہ موثق ووزن دار بنانے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت بھی اسی کے تحت میں درج کئے دیتا ہوں، اس سے آپ کی علمی وسعت وتبحر کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

## حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت

کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ حضرت ابو ذر رضؓ کو کیسا خیال فرماتے ہیں؟

آپ نے فرمایا:-

وعٰی علما عجز فیہ۔ | انھوں نے ایک علم کو محفوظ کیا جس میں وہ عاجز آگئے۔

عموماً علمائے حدیث اس جملے کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود متحیر ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے[۱]

[۱] حتیٰ کہ شیخ ابو عمر بن عبدالبر رحؒ کو جب عجز فیہ کی کوئی صحیح توجیہ نہ معلوم ہو سکی تو انھوں نے استیعاب میں عجز فیہ کے لفظ کو عجز عنہ سے بدل دیا۔ یا ممکن ہے نسخ یا طباعت کی وجہ سے یہ تحریف
(دیکھو تتمہ صفحہ ۱۵۶)

ابنِ سعد نے نقل کیا ہے کہ بعضوں کا خیال ہے "کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس کو ظاہر نہ کر سکے"۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ "جس علم کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے، اُسے حاصل نہ کر سکے"۔ واللہ اعلم، امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ کا واقعی مقصد کیا ہے؟

لیکن میرے نزدیک تو اس جملہ کا مطلب بالکل کھلا ہوا ہے اور ان شاء اللہ وہ واقعیت سے بہت زیادہ قریب ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ "صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سیکھتے تھے، عموماً وہ علوم ایسے ہوتے تھے، جن کو براہِ راست عمل سے تعلق تھا۔ کیونکہ اعتقادات کے باب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اجمال و ایمان بالغیب کے مضبوط و محفوظ اصول کو پیشِ نظر رکھا۔ جو کچھ بھی تفصیلات کی، وہ محض عملیات کی کی، ماسوا اس کے عام طور پر عقائد کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ صرف ماننے اور ایمان لانے کی چیزیں ہیں۔ عمل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے میرے نزدیک یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ظاہری اعمال کی پابندی یقیناً ایک بڑی آزمائش اور شریعت کا اہم مطالبہ ہے، لیکن عقائدِ صحیحہ جن کو ہم

(بقیہ سابقہ) پیدا ہو گیا ہو، جو عام طور سے پیدا ہو جاتی ہیں ۱۲۔ استیعاب ج ۴ مطبوعہ حیدرآباد

علوم صحیحہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اُن کو اپنے اندرونی احساسات یقین واذعان کے ساتھ وابستہ کرنا اور ان کے مقابل جو باطل اور کاذب معلوم ہوں ان کو مٹانا جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے اعمال جوارح سے یہ زیادہ مشکل ہے۔ بہرحال عقائد ہوں یا اعمال عمل کی دونوں میں ضرورت ہے۔

حضرت ابوذر رض میں قبول و اثر پذیری کا مادہ جتنا تیز تھا وہ تم پڑھ چکے، اور واقعات سے خود بھی اندازہ لگا سکتے ہو۔ یہی وجہ ہوئی تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ جو کچھ سنتے تھے ٹھیک اسی طرح اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ بلا کسی چون و چرا کے جس طرح آپ سے سنتے، کوشش کرتے کہ اسی طرح ہم اُسے ادا بھی کردیں۔ وہ چاہتے تھے کہ میرا عملی نقشہ علمی نقشہ پر پورے طور سے منطبق ہو جائے۔

اس باب میں ان کو اس قدر غلو اور تشدد تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی اگر اس معاملہ میں آڑے آجاتی تو آپ کو اس کی بالکل پروانہ ہوتی تھی۔ واعظانہ مشورے ناصحانہ پند وتذکیر مرتے دم تک ان کو اس مرکز ثقل سے ہلا نہ سکی۔ حتیٰ کہ اپنے اسی امتیاز پر آپ کبھی ناز بھی کرتے ہوئے فرماتے کہ

"لوگو! میں قیامت کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کی مجلس میں سب سے زیادہ قریب رہوں گا
کیونکہ میں نے سُنا ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم
فرماتے تھے کہ تم میں سب سے زیادہ قریب قیامت
کے دن مجھ سے وہ شخص ہوگا، جو دنیا سے اسی حال
میں رخصت ہو، جس حال میں میں اسے چھوڑ کر
جاؤں اور قسم خدا کی اب تم میں کوئی ایسا نہیں رہا
جو اپنی پہلی حالت پر قائم ہو۔ اور اس کے ساتھ
کوئی نئی چیز نہ لپٹ گئی ہو، بجز میرے"[1]

اور یہ دعویٰ اُن کا صرف ذاتی نہ تھا۔ بلکہ سیّد العالم
رسول خاتم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔
طبقات میں ہے کہ ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ، تم میں کون ہے جو مجھ سے اسی طرح آکر ملے گا۔ جیسا
میں اُسے چھوڑ جاؤں گا۔

حضرت ابوذر نے فرمایا کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] طبقات ابن سعد۔ مسند احمد ۱۲۔

سچی زبان نے اس کے جواب میں فرمایا

صَدَقْتَ | سچ کہتے ہو (یعنی تم اسی حال میں رہوگے جس حال میں تمہیں چھوڑوں گا)

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بھی فرمایا کرتے۔

" اب دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ جو خدا کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی طعن و شناعت سے نہ ڈرتا ہو۔ سوائے ابوذر رضؓ کے "

اور اخیر میں خود اپنی چھاتی پیٹتے اور فرماتے۔

"حتیٰ کہ میں بھی اپنے نفس کو مستثنیٰ نہیں کرتا"[1]

الغرض "عجز فیہ" کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے علم اور معلومات سے مغلوب و عاجز آگئے تھے، جو کچھ جانتے تھے اس کے خلاف کرنے پر گویا قادر نہیں رہتے تھے، تعجب ہے کہ امیر کرم اللہ وجہہ تو

عجز فیہ | علم میں عاجز آگئے.

فرماتے ہیں اور بعض شراح حدیث اسے عجز عنہ سمجھ کر اپنے خود ساختہ معانی کو اس پر خواہ مخواہ منطبق کرنا چاہتے ہیں، اور بعض نے تو یہ کیا کہ جب اس لفظ پر ان کا مطلب چسپاں نہ ہوا تو انھوں نے

---

[1] طبقات

فی کے لفظ کو "عن" سے بدل دیا، جس کا میں حاشیہ میں ذکر کر آیا ہوں۔

اور یہ بالکل سچ ہے کہ تعمیل ارشاداتِ نبویہ میں جو نمونہ حضرت ابوذر نے دنیا کے آگے پیش کیا، اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ آپ اپنے علم سے بالکل مقہور و مغلوب ہو رہے تھے۔

دنیا کی حقارت یہاں کے مال و متاع کی حقیقتوں کے متعلق حضرت ابوذر کو جو کچھ کہا گیا تھا۔ جنھیں مختصر طور پر میں اوپر نقل کر چکا ہوں اس کا مقتضیٰ تھا، کہ وہ ایک خشک زاہد صحرائی بن کر زندگی گزار دیتے نہ شادی کرتے نہ بیاہ، نہ آبادیوں میں رہتے نہ اور کچھ سامان کرتے لیکن میں لکھ چکا ہوں کہ اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی سکھایا تھا کہ دنیا میں رہ کر زاہد بننے کی کوشش کرو۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

کا گویا نظارہ خدا کے آگے پیش کرو۔ ان دونوں پلّوں کو مساوی طور پر قائم رکھکر دنیا میں رہنا حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ دشوار گزار راستہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابھی گزر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر سے یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر اُحد کا پہاڑ سونا ہو جائے تو اسکی قیمت میرے سامنے اس سے زیادہ نہیں کہ تین دن میں سب کو لٹا دوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی جاہ و مال کی طرف مطلق توجہ

کرنے کی ضرورت نہیں اور اسی کے مقابلہ میں حضرت ابو ذر ہی کے سامنے آپ عکاف صحابی سے پوچھتے ہیں، کیا تمہارے پاس بیوی بھی ہے؟ عکاف نے کہا "جی نہیں"۔

آپ نے فرمایا! کہ اگر بیوی نہیں تو کوئی کنیز ولونڈی (یعنی شرعی حرم) بھی ہے؟ عکاف نے کہا کہ وہ بھی نہیں۔

آپ نے فرمایا، کہ تم فارغ البال صاحب فراخی نہیں ہو؟ عکاف نے کہا کہ جی میں دنیا کی جانب سے مطمئن اور خوش ہوں (یعنی مالدار ہوں)

آپ نے فرمایا کہ اب تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔ اگر تم نصرانی ہوتے تو ان کے راہبوں میں شمار کئے جاتے۔ نکاح میرے طریقہ میں داخل ہے۔ تم میں سب سے زیادہ بد وہ لوگ ہیں جو مجرد اور کنوارے ہیں۔ سب سے ذلیل ترین کمینے وہ مرد ہیں جو بحالت تجرد زندگی گزار کر مر جاتے ہیں۔

کیا تم لوگ شیطان کے تختۂ مشق بننا چاہتے ہو؟ شیطان کا وہ ہتھیار جو اچھے لوگوں میں بہ آسانی اتر جاتا ہے صرف عورت ہے۔ ہاں جنھوں نے شادیاں کیں، وہ لوگ پاک دل والے ہیں، سیاہ اعمال سے دور اور کنارہ ہیں۔

عکاف تجھ پر افسوس ہے! یہی عورتیں تھیں، جنھوں نے ایوب، یوسف، داؤد، کرسف کے ساتھ کیا کیا۔ بشر بن عطیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ حضورؐ یہ کرسف کون شخص ہے آپؐ نے فرمایا کہ کسی گزشتہ زمانہ میں اس نام کا ایک عابد تھا جو کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر تین سو برس تک عبادت میں مصروف رہا۔ وہ دن بھر روزے رکھتا تھا اور رات بھر نمازیں پڑھتا۔

آخر ایک دن کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہوا اور ساری ریاضتوں کو چھوڑ کر اسی کے پیچھے دیوانہ ہو گیا۔ بہرحال اخیر میں اس کی حالت درست ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف پھر متوجہ ہوا خداوند تعالیٰ نے اس کے قصور سے درگزر کیا۔

اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عکاف کی طرف پھر متوجہ ہوئے اور کہنا شروع کیا۔

"عکاف تجھ پر افسوس! نکاح کر! ورنہ تو ہمیشہ مذبذب رہیگا یعنی طمانیت و سکینت تجھے حاصل نہیں ہو سکتی۔"

---

لہ یعنی عورتوں کی وجہ سے ان لوگوں کو بعض فتنوں میں مبتلا ہونا پڑا جسکی تفصیل کتب تفسیر میں موجود ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ انبیاء معصومین کسی حرام عمل کے معاذ اللہ مرتکب ہوئے ۱۲

عکاف نے اس کے بعد درخواست کی کہ حضور تو آپ ہی میرا عقد جس سے چاہیں کر دیں، آپ نے فرمایا کہ کریمہ بنت کلثوم حمیری سے میں نے تیرا نکاح کر دیا۔[1]

اس حدیث سے نکاح کا مسئلہ جس قدر اہم ہو جاتا ہے اسے کون نہیں سمجھتا۔ اور شادی کے بعد دنیاوی اُلجھنوں کا جو طوفان اُمنڈتا ہے، آج اس سے کون واقف نہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان نبوی علوم نے اسی طرح عاجز و لاچار بنا دیا تھا کہ انھوں نے یہ بھی کیا اور وہ بھی کیا۔ غایت احتیاط کے ساتھ نباہ کر ایک عجیب و غریب قوت عملیہ کا ثبوت انھوں نے پیش فرمایا۔

## آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ برتاؤ

مثلاً تم پڑھ چکے ہو کہ آپ میں مجذوبیت بھی تھی وارفتگی بھی استغراق بھی تھا، سب کچھ تھا، مگر باوجود ان تمام باتوں کے آپ ہمیشہ ایک عورت اپنے پاس رکھتے تھے۔ کسی معمولی سفر میں بھی جاتے تو عموماً آپ کی بیوی ہمراہ ہوتیں۔ اور اس میں آپ محض مجبور و لاچار تھے۔

---

[1] مسند احمد ۱۲۔

آخر عکاف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا تم سمجھ سکتے ہو کہ ابو ذر رض کے دل و دماغ پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا، جس قسم کے تسلیمی جذبات حضرت ابو ذر رض کے سینے میں موجزن تھے حق تو یہ ہے ان کو دیکھتے ہوئے پھر اس فعل پر کچھ تعجب نہیں ہوتا

الغرض ان وجوہ سے تو آپ نکاح کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ آپ کا برتاؤ کس قسم کا تھا۔ قاعدہ ہے کہ جب عورت انسان کے گھر آتی ہے تو خواہ مخواہ فطرۃً آدمی کے مردہ احساسات زندہ ہو جاتے ہیں۔ کسی قسم کا شخص ہو لیکن اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اچھے کپڑے پہنائے، عمدہ زیوروں سے اسے آراستہ کرکے اپنی آنکھیں سینکے، عطر اور پھول سے ہمیشہ اس کے جامہ و بدن کو معطر رکھے، یہ کرے وہ کرے۔ الغرض قدرتاً اس قسم کے خیالات اولاً تو خود ہی دماغ میں ابھرتے ہیں۔ پھر نئی نویلی دلہنوں کی فرمائشوں کی بدولت یہ کریلا اور پھر نیم پر چڑھ جاتا ہے اور اس کا آخری انجام اکثر یہی ہوا ہے کہ انسان اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ہر ایک قسم کے وسائل و ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور آہ! کہ جس فعل کو وہ کبھی کرنا نہیں چاہتا تھا اس کے کرنے پہ نہ صرف آمادہ بلکہ بسا اوقات کر گزرتا ہے۔

یہ ایک کاری سحر، چلتا ہوا جادو ہے، جس کے بعد کم روحیں نسوانی منتروں کے ہوش ربا تاثیروں سے نجات پا سکتی ہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ عاجزی کو دیکھو! اندازہ کرو کہ نبوی احکام و تعلیموں نے ان کو اپنا کس قدر مقہور و مغلوب بنا رکھا تھا۔ وہ نکاح بھی کرتے ہیں، اور جب ان کی بیوی صاحبہ فرمائش کرتی ہیں تو آپ گھر سے نکل کر مجمع عام میں فرماتے ہیں۔

"تم لوگ اس کالی کلوٹی کو دیکھتے ہو؟ مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ! اور جب میں وہاں جاؤں گا تو مسلمان میری طرف روپے پیسے لے کر جھکیں گے، لیکن ہم کیا کریں ہمارے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا ہے کہ پل صراط کے قریب ایک راستہ ہے جس پر پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ اس پر میں ہلکا پھلکا چلوں۔ یہی ہمارے لئے بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ روپیے، اور پیسوں کے بوجھ میں لدا ہوا گرانبار ہو کر اُسے عبور کروں[1]"

صرف اس قدر کہہ کر آپ ان فرمائشوں کو ٹال دیتے، جو

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲

کچھ حلال اور پاکیزہ طریقہ سے آپ کے پاس آتا تھا، وہی دیدیتے اس کے بعد نہ ان کی فرمائشوں کی پروا کرتے نہ اپنی نفسانی خواہشوں سے متاثر ہوتے، کہ یہاں نفس باقی ہی کب تھا، وہ تو شادی بھی نہ کرتے لیکن عکاف کی مجلس کی داستان نے آپ کو مجبور و معذور کردیا تھا۔

## آپ رض کی بیوی صاحبہ کی حالت !!

یہی وجہ تھی کہ آپ کو اپنی حرمِ محترمہ کی زیبائش و آراستگی کا کبھی خیال بھی پیدا نہ ہوا۔ اولاً آپ کے نکاح کے لئے صرف عورت شرط تھی، اس سے بالکل بحث نہیں تھی کہ وہ کیسی ہو، کس رنگ کی ہو وغیرہ وغیرہ

مؤرخین جہاں آپ کی بیوی کا حال لکھتے ہیں، تو ان کی توصیف ہمیشہ ان لفظوں میں کی جاتی ہے۔

**ثمہ امراۃ سحماء** | حضرت ابوذر کے ساتھ ایک کالی عورت رہتی تھی۔

عبداللہ بن خراش کعبی رض کہتے ہیں، کہ میں نے ایک دن آپ سے کہا بھی کہ آپ نے یہ کیا کالی کلوٹی عورت سے نکاح کیا ہے تو فرمانے لگے کہ بھائی جس بیوی کی وجہ سے لوگ مجھے ذلیل خیال کریں اسے میں

ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں، جس کی وجہ سے لوگوں میں میری خاص وقعت ہو۔ کہ یہ وہ شخص ہے، جس کی بیوی نہایت پری پیکر اور عالی خاندان ہے۔

**ان کی زیب و زینت**

اور نہ صرف اس قدر کہ وہ مراۃ سمجھا تھیں بلکہ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کو ان کی زینت و زیبائیش بناؤ سنگار سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف نکاح کر لیا تھا، کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔

ابو اسماء رحبی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی بیوی کو ایک دفعہ دیکھا تھا، ان کے کپڑے خوشبو میں بسے ہوئے تھے اور نہ ان کے بدن پر اور کسی قسم کی زیب و زینت کا نشان تھا۔[1]

**زیور**

میں نے بہت تلاش کیا، لیکن نہایت جستجو کے بعد طبقات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ کے کان میں بالیاں پڑی ہوئی تھیں۔[2] اس کے علاوہ اور کسی زیور کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ بالیاں سونے کی تھیں یا چاندی کی، یا کسی اور دھات کی۔

الغرض نبوت سے جو علم ان کو ملا تھا، اس سے آپکی یہی عاجزیاں

---

[1] طبقات ۱۲۔ [2] طبقات ابن سعد ۱۲۔

ہیں۔ جن کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اشارہ فرمایا۔ اللہ اکبر زہد کا تقاضا ہے کہ شادی بھی نہ ہو، گھر بھی نہ ہو، در بھی نہ ہو اور شادی کا تقاضا ہے کہ دنیا کے تمام ساز و سامان ہوں، یہ بھی ہو وہ بھی ہو،

ابوذرؓ ہی کا کلیجہ تھا، کہ ان چٹانوں کو سینے پر رکھا، اور بغیر کسی تشویش کے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا۔ ع

برلبِ کوثر بداغِ تشنگی خومی کنم

کا ایک حیرت انگیز نظارہ حضرت ابوذرؓ کی زندگی میں نظر آتا ہے

**آپ کا گھر** آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے راہبانہ صحرانوردی سے روکا بھی تھا۔ اور اس دنیا کو ایک گزرگاہ اور راستہ سے تشبیہ دے کر اپنے آپ کو ایک مسافر بھی قرار دیتے تھے فرمایا کرتے کہ میری مثال دنیا میں اس مسافر کی مانند ہے، جو کسی چھاؤں کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں ارشادوں میں عملی تطبیق اس طرح دی تھی کہ آپ جب تک مدینہ منورہ میں رہے زیادہ تر اِدھر اُدھر پڑے رہتے۔ کبھی مسجد میں کبھی صفہ میں سو جاتے اور اس کے بعد آپ جہاں کہیں رہے کمل کے خیمہ میں رہے۔ شام کے غدار شہر دمشق میں بھی جب تک

آپ رہے مشت صوف کے جھونپڑے ہی میں رہے[1]، اپنے بال بچوں کے ساتھ اسی قسم کے خیموں میں اپنی زندگی گزار دی حتیٰ کہ جب مکان میں آپ نے اپنی آخری سانس پوری کی۔ اس وقت بھی دیکھنے والوں نے یہی دیکھا، کہ صوف کے معمولی خیمہ میں حضرت ابوذر رض کی لاش پڑی ہوئی تھی[2] پس اگرچہ وہ پہاڑ کی کھوہ میں نہیں گئے، لیکن شہروں کے وسط میں ہی آپ نے کھوہ بنا لیا تھا، اور یوں۔ ع

ایں طرفہ تماشہ بیں لب تشنہ بآب اندر

کے خیالی تصور کی واقعی تصویر۔ اپنی پوری زندگی سے کھینچ کر انھوں نے دکھا دی تھی۔

**روپئے پیسے کے متعلق آپ کی تدبیر**

میں لکھ چکا ہوں، کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، کہ "اے ابوذر! جس سونے اور چاندی پر گرہ لگائی گئی، وہ اس کے مالک کے لئے انگارے ہیں۔" اِدھر تو یہ ارشاد فرمایا جاتا تھا، دوسری طرف حکم تھا، کہ "بہترین کاموں میں یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا کرو

---

[1] طبری کامل وغیرہ - ۱۲ [2] طبقات صد ۱۸۴ ۱۲

مہمانوں کی مہمان نوازی کرو اور رات کو نمازیں اس وقت پڑھو!
جس وقت دنیا کے لوگ سو چکے ہوں"۔ ظاہر ہے کہ مہمان نوازی کا
کے لئے ازبس ضروری ہے کہ انسان کے پاس کچھ پس انداختہ ہو

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں فرمانوں
میں اس طرح تطبیق دی تھی، کہ آپ کا سالانہ وظیفہ جس وقت
بیت المال سے ملتا، اُٹھتے اور اپنی لونڈی کو ساتھ لے کر سال بھر
کا سامان خرید لیتے۔ اس کے بعد لٹاتے بانٹتے۔ پھر جو کچھ بچ
جاتا، اس کے پیسے بھنا لیتے۔ لوگ پوچھتے کہ تمام روپیوں کو
پیسے بنانے کی کیا ضرورت؟ آپ فرماتے کہ چاندی اور سونے
کے رکھنے کی مجھے اجازت نہیں اس لئے میں اسے پیسے بنا لیتا
ہوں، تاکہ میں ان لوگوں میں نہ رہوں، جن کے لئے حضور نے
دھمکیاں ارشاد فرمائی ہیں۔

الغرض آپ اپنی معلومات سے محض مغلوب و مقہور رہتے تھے
جو کچھ سنا تھا وہ آپ کو مجبور کرکے اس پر عمل پیرا بناتا تھا۔ حقیقت
یہ ہے کہ علم کی حکومت فرمائیاں اس طرح اور کسی پر شاید ہوئی ہونگی
امیر کرم اللہ وجہہ نے سچ فرمایا۔ بلاشبہ یہی بھید تھا جس نے آپ کو
مجذوب اور بہلول بنا دیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام مباحث پر جو اس وقت تک پیش ہو چکے ہیں۔ غور کرنے کے بعد حضرت مرتضیٰ علیہ السّلام کے قول "عجز فیہ" کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اور میرا یہ دعویٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی آپ کی مجذوبیت کی شہادت دی ہے اس سے مُراد یہی تھی۔

اخیر میں ہم ان چند خصوصیتوں کو بھی درج کرتے ہیں جو طائفہ مجاذیب کے ساتھ مخصوص ہے اور شیوۂ جذب و سرمستی کے ساز و سامان میں شمار کیا جاتا ہے۔

**ظرافت** اس وقت تک حضرت ابوذر رضؓ کے جتنے حالات تم پڑھ چکے ہو اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں خوش طبعی اور ظرافت کا مادہ موجود نہ تھا۔ حالانکہ مجذوبوں کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ گو بظاہر وہ ہمیشہ ترش رو، چیں بہ جبیں نظر آتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ دنیا نے ان ہی مجذوبوں کے ان قہقہوں کو بھی ہمیشہ سُنا ہے۔ جس کا سلسلہ اگر شروع ہوا تو پھر کبھی نہیں رُکا۔ اور انکی سادگی میں کجی اور کجی میں سادگی کو سمرتے ہوئے تو کسی نے نہیں دیکھا غصہ میں مسکراہٹ اور مسکراہٹ میں غصہ اس طبقہ کا خصوصی شیوہ ہے۔

بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی کبھی یہ حالت

طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دن آپ کسی مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے فرمانے لگے۔

"کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ، قیامت کے دن ایک شخص پیش ہوگا۔ فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو پیش کرو۔ فرشتے اس کے آگے اس کے چھوٹے گناہوں کی فہرست اس طرح پیش کریں گے کہ تم نے فلاں دن یہ کہا۔ فلاں دن یہ کیا۔ وہ بیچارہ اس کا اقرار کرتا جائے گا۔ اور دل میں ڈرے گا، کہ دیکھئے جب کبائر کی فہرست پیش کی جائے گی تو کیا ہوگا۔ فرشتے جب صغائر پوچھ کر فارغ ہو جائیں گے تو آواز آئے گی کہ اس کو ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دیتے چلے جاؤ اس رحیمانہ فرمان کے سنتے ہی وہ شخص غل مچانے لگے گا۔ شور کرے گا۔ کہ فرشتو! ٹھہرو! ابھی ہمارے پاس اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں، ان کو بھی گن لو میں اس فہرست میں انھیں نہیں دیکھتا۔"

(یعنی ان کے عوض میں بھی مجھے نیکیاں ملنی چاہییں۔)

حضرت ابوذرؓ اس لفظ پر آکر ٹھہر جاتے اور فرماتے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اس قدر ہنسا کرتے کہ آپ کی ڈاڑھیں کھل جاتیں[1]۔ اس کے بعد حضرت ابوذر کسقدر ہنسا کرتے اس کا اندازہ تم خود ہی لگا سکتے ہو۔ خصوصاً جب ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام عادت یہی تھی کہ قول کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو بھی کر کے دکھاتے، جو حدیث بیان کرتے ہوئے آپ کرتے

بدبخت عبداللہ بن زیاد، جسے مسلمان ابن زیاد کے نام سے جانتے ہیں۔ جب کوفہ کا امیر ہوا، تو اپنے پیش رو گورنروں کے خلاف جماعت کی نماز میں تاخیر کرنے لگا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بھتیجے عبداللہ بن صامت نے دریافت کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔ کیا ہم لوگ بھی اپنی نمازوں کو مکروہ اوقات تک مؤخر کریں؟ عبداللہ بن صامت فرماتے ہیں، یہ سنتے ہی حضرت ابوذرؓ نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمانے لگے:۔

سنو! میں نے اپنے خلیل (دوست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحاح خصوصاً ترمذی دیکھیئے اور مسند احمد ۱۲

سے اس کے متعلق پوچھا تھا، کہ ایسی صورت میں کیا کروں گا؟ آنحضرتؐ نے میرے زانو پہ ہاتھ مارا اور فرمایا۔

| | |
|---|---|
| صلی الصلوٰۃ لوقتہا فان ادرکت فصلّ معھم ولا تقل انی صلیتُ فلا اصلی معھم (مسند احمد) | تم اپنی نماز وقت پر ادا کر لیا کرو۔ اب اگر ان رہبروں کے ساتھ بھی نماز کا موقع آجائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو اور یہ نہ کہو کہ میں تو نماز پڑھ چکا ہوں، ان کے ساتھ نہ پڑھوں گا۔ |

ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابوذرؓ باب کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں۔

"جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے اور جو نہیں جانتے اُن کو اب جاننا چاہیئے، کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں، پھر فرمایا کہ جس طرح میں کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے ہوں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کعبہ کی زنجیر کو پکڑے ہوئے یہ فرما رہے تھے۔ بحدیث (بیہقی)

**دوسری ظرافت** نعیم بن قعنب الریاحی کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گھر پہ ڈھونڈھا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں، انھوں نے فرمایا۔

"سامنے ان کی کچھ زمینیں ہیں وہیں ہوں گے۔"

جب میں اُدھر چلا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کے آگے آگے دو اونٹ ہیں، جن کے گلے میں مشکیں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ انھیں پیچھے سے ہنکاتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ میں آگے بڑھکر آپ سے ملا، اور ساتھ ساتھ مکان پہ آیا۔ آپ نے مشکیں اتاریں۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا، کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا آپ سے ملنے کی مجھے تمنّا بھی تھی اور آپ کی ملاقات سے مجھے نفرت بھی تھی۔

حضرت ابوذر نے فرمایا۔ یہ دونوں باتیں کیونکر ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔

نعیم نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے اب مجھے اس کی فکر ہے کہ میرا گناہ معاف ہو سکتا ہے یا نہیں اگر ہو سکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے۔ اس کا کفارہ بھی ہے یا نہیں؟

پس جب دل میں یہ خیال آتا تھا، کہ آپ ہی میرے لئے کوئی راستہ پیدا کریں گے، اس وقت ولولہ ہوتا تھا کہ آپ سے مل ہی

لوں، پھر کبھی خطرہ ہوتا تھا، کہ کہیں آپ نے مجھے مایوس العلاج قرار دیا تو یہ عمر بھر کا ایک غم میرے ساتھ لگ جائے گا اور اس کے بعد مجھے آپ سے نفرت پیدا ہو جاتی تھی[۱]

حضرت ابوذر رضہ نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ حرکت تم نے کفر کے زمانے میں کی ہے یا اسلام میں؟

نعیم نے کہا کہ ایام کفر میں۔ حضرت ابوذر رضہ نے فرمایا، تو پھر کیا پروا ہے (یعنی اسلام خود ہی تمام گناہوں کا کفارہ اور کفر کے زمانہ کی ہر قسم کے گناہوں کو ڈھانے والا ہے۔)

نعیم سے یہ فرمانے کے بعد آپ اپنی بیوی کی طرف مخاطب ہوئے اور کچھ سر سے اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا، کہ مہمان کے لئے کچھ کھانا لاؤ! بیوی صاحبہ یہ سنتے ہی برس پڑیں یعنی ایک تو کماتے کجاتے نہیں۔ اور اس پر مہمان نوازی کا شوق؟

آپ نے پھر بھی نہایت نرمی سے کہا کہ بیچارے کے لئے کچھ لاؤ! لیکن وہ تھیں کہ بگڑ رہی تھیں، حتیٰ کہ آپ نے تیسری بار

---

[۱] اس قسم کی متضاد کیفیتیں مجذوبوں کی جانب سے عام طور پر دلوں میں پیدا ہوتی ہیں، دعا و بددعا کی امید و خوف میں ہر شخص ان کی جانب سے یہی دونوں خیال رکھتا ہے۔"

کچھ زور دے کر فرمایا کہ لاتی بھی ہو یا نہیں ؟ لیکن وہ کب سننے والی تھیں۔ اس طرح اُلجھ پڑیں اور اُلجھتی رہیں کہ آخر میں آپ نے گویا ہنس کر فرمایا، کہ

"اری کس قدر بولو گی! تم کہیں اس سے بھی آگے نکل سکتی ہو، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی شان میں ارشاد فرما چکے ہیں"۔

نعیم تو وہیں کھڑے تھے، بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ

"عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔ اگر انھیں سیدھی کرنا چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائیں گی اور اگر یوں ہی چھوڑ دو گے، تو کجی باقی رہے گی لیکن کچھ کام بھی چلتا رہے گا"۔[1]

یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئیں اور خشک ثرید کے کچھ ٹکڑے لے آئیں، آپ نے نعیم کو کہا کہ "بس تو شروع کیجئے اور اس کا خوف نہ کیجئے کہ میں کیوں شریک نہیں ہوا، کیوں کہ میں روزہ دار ہوں"

---

[1] مسند احمد ۱۲۔

یہ کہکر نماز کی نیت باندھ لی۔ نعیم کہتے ہیں کہ میں کھا رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ وہ نماز میں کسی چیز کا انتظار کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ جب انھوں نے اندازہ کر لیا کہ اب مجھے سیری ہو گئی ہوگی۔ فوراً سلام پھیر کر بیٹھ گئے اور ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کیا، مجھے ان کی اس حرکت پر سخت حیرت ہوئی اور بے ساختہ زبان پر انا للہ و انا الیہ راجعون جاری ہوگیا۔

حضرت ابوذر رضؓ نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو ہنسنے لگے اور فرمایا کہ تم کو کیا ہوا، میں نے کہا کہ اگر میں انسانوں میں کسی کو جھوٹ بولنے والا خیال بھی کرتا، تو کم از کم تم کو تو ان لوگوں سے میں مستثنیٰ سمجھتا تھا"۔

حضرت ابوذر رضؓ نے فرمایا، تیرے ماں باپ خدا پر قربان ہوں، جب سے تم آئے اور اس وقت تک تمہارے سامنے میں نے کیا جھوٹ بولا۔

میں نے کہا خوب، ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ میں روزہ دار ہوں، حضرت ابوذر رضؓ نے کہا کہ "ہاں"! بعد اس کھانے کے بھی روزہ دار ہوں، اور رہوں گا۔ کیونکہ اس مہینہ کے تین دنوں ۱۳۔۱۴۔۱۵۔ میں روزے رکھ چکا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جس نے اِن تین دنوں میں روزہ رکھا، اس نے گویا مہینے بھر کا روزہ رکھا (یعنی ہر روزے کے بدلہ میں دس روزہ کا ثواب ملا اور اسی طرح تین روزوں کے عوض میں ۳۰ روزوں کا ثواب حاصل ہوگا) پس آج میرا روزہ بھی ہے اور اس کا اجر بھی ہے اور تمہارے ساتھ کھا بھی رہا ہوں[1]

حضرت ابوذر جب شروع شروع مدینۂ منورہ پہنچے تو وہاں کی آب و ہوا کچھ ان کے لئے سازگار نہ ہوئی۔ بیمار پڑ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض علاج اور تبدیلِ آب و ہوا ان کو حکم دیا کہ بیت المال کی مویشیاں (اونٹ اور بکریاں) جہاں چرتی ہیں، وہیں جاکر چندے قیام کرو، یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ صرف اونٹنیوں اور بکریوں کے دودھ پر رہیں۔ بعض روایتوں میں[1] ہے کہ علاجاً ان جانوروں کے پیشاب کے استعمال کی بھی اجازت ہوئی تھی۔ محدثین کا خیال ہے کہ یہ استسقاء کا علاج ہے ممکن ہے کہ حضرت ابوذرؓ پر استسقاء کی علامتیں ظاہر ہوئی ہوں) بہر حال حضرت ابوذر اسی صحرائی علاقہ کی طرف روانہ ہوئے چوں کہ بیمار تھے، اس لئے بیوی کو بھی ساتھ لیا۔ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں پانی کا نام بھی نہ تھا۔ مجبوراً

---

[1] مسند احمد ۱۲

حضرت ابوذر کو دُودھ ہی پر گزر کرنا پڑا اچھی آب و ہوا، پرہیز سخت، نیتجہ یہ ہوا، کہ بہت جلد آپ کی حالت بدل گئی۔ یہ شباب کا زمانہ تھا، بیوی ساتھ تھیں، یہ سوچے بغیر کہ آخر اس وادی میں پانی ملے گا یا نہیں، غسل کی کیا صورت ہوگی۔ اپنے اوپر غسل واجب کر لیا، اب ہوش آیا تو پانی کا میلوں پتہ نہیں۔ غسل کے بدلہ میں بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابوذر کو اسوقت اس کا بھی علم نہ تھا۔ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوا، کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بجز اس کے کہ ان اونٹوں میں ایک تیز رفتار اونٹ کی پیٹھ پر لدے۔ اور جتنی تیزی سے بھگا سکتے تھے افتاں خیزاں مدینہ پہنچے۔ خود فرماتے ہیں، ٹھیک نصف النہار کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ دیکھا کہ آپ مسجد کے سایہ میں صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ میں نے آگے بڑھکر سلام عرض کیا، حضورؐ نے سر مبارک اوپر کی طرف اُٹھایا۔ مجھے دیکھ کر بے ساختہ آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

سُبحان اللہ ابوذر | خدا کی شان ابوذر

میں نے وہیں کہا کہ ہاں یارسول اللہ ابوذر ہی ہے۔ پھر سارا قصہ بیان کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کہاں تو بیماری اور ایسی

سخت بیماری، کہ بعض روایتوں کے اعتبار سے آپ کو اونٹ کے پیشاب تک کے پینے کی نوبت آئی، لیکن ادھر طبیعت چاق ہوئی ادھر غسل واجب کرلیا۔ ان کے اس صدقی طرزِ عمل کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بیساختہ ہنسی آگئی۔ پھر آپ نے آواز دی، ایک لونڈی برتن میں پانی لے کر باہر آئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اوسی وقت اسی اونٹ کے اوٹ میں کھڑے ہوکر اس جنابت سے میں نے نجات حاصل کی۔ اور اب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ابوذر پاک مٹی سے وضوء کا کام اس وقت تک لیا جاسکتا ہے، جب تک کہ پانی میسر نہ آئے۔ خواہ پانی دس سال ہی تک کیوں نہ ملے۔

ظرافت ہی کے سلسلہ میں غالباً آپ کی ان عادتوں کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے کہ جب آپ سے کوئی پوچھتا۔ کہ کیا آپ ہی ابوذر رضہ ہیں؟ تو فرماتے کہ "ہاں" "میری بیوی کا یہی خیال ہے" آپ کی صاحبزادی کبھی آپ کے ساتھ ہوتیں، لوگ پوچھتے کہ کیا یہ آپ کی صاحبزادی ہیں۔ اس وقت بھی یہی فرماتے کہ "ہاں" اس کی ماں یہی کہتی ہے"[1]

---

[1] یہ ساری روایتیں مسندِ احمد میں ہیں۔ ۱۲

ایامِ بیض کے روزوں کو مہینہ بھر کا روزہ قرار دینا | اس قاعدے
سے ایک دفعہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی نفع اُٹھایا ہے، بیہقی میں ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن شقیق عقیلی حضرت عمرؓ سے ملنے آئے۔ ابھی باہر ہی تھے کہ عبداللہ نے آپ کے چہرہ کی حالت دیکھ کر کہا کہ کیا آپ روزے سے ہیں۔ بولے ہاں! اتنے میں اندر طلبی ہوئی۔ دیکھتے ہیں کہ ایک بڑے پیالہ میں کھانے کی کچھ چیز رکھی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کھانے کا اشارہ کیا۔ عبداللہ کے ساتھ حضرت ابوذر بھی پیالہ میں شریک ہو گئے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے انگلیوں سے اشارہ کیا اور یاد دلایا کہ آپ تو روزے سے ہیں۔ جواب میں حضرت ابوذرؓ نے فرمایا، مجھے اپنا روزہ یاد ہے بھولا نہیں ہوں۔ میں نے تم سے کیا کہا تھا۔ یہی نا، کہ میں روزہ دار ہوں میں ہر مہینہ کی تین تاریخوں میں چونکہ روزے رکھتا ہوں، اس لئے ہمیشہ صائم ہی رہتا ہوں۔[1]

اس قسم کی اور بھی ظرافتیں آپ سے منقول ہیں مدعا کے ثبوت کے لئے اِتنی بھی کافی ہیں۔

---

[1] سنن بیہقی۔

## لوگوں پر مجذوبانہ انداز کے ساتھ بگڑنا!

اِس طائفہ کے ساتھ اور باتیں بھی مخصوص ہیں۔ مثلاً جو آدمی ان کے پاس جائے گا۔ اس پر پہلے بگڑیں گے، اسے جھڑکیں گے، اگر زیادہ مغلوب الحال ہوجائیں تو سُنا ہے کہ گالیاں بھی دیتے ہیں۔

بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذب چونکہ جذب کامل تھا۔ اِس لیئے ہذیان وخرافات تو آپ کی زبانِ مبارک سے نہیں نکلتے تھے۔ لیکن بگڑنے جھڑکنے کی عادت آپ میں بھی کم وبیش پائی جاتی تھی۔

عوام تو عوام بڑے بڑے جلیل القدر صحابیؓ آپ سے ملنے آتے اُن پر بگڑتے، اُن سے بھلگتے، اپنے سامنے سے اُٹھا دینے کی کوشش کرتے۔ لیکن چونکہ اس طائفہ کی ان تمام باتوں کو لوگ ان کی مغلوب الحالی پر محمول کرتے ہیں اور آج تک یہ طریقہ دنیا میں مروّج ہے۔ اِس لئے کسی کو آپ کی باتیں بُری نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ آپ جس قدر بیزاری ظاہر کرتے، صحابہؓ اسی قدر آپ سے لپٹتے۔ آپ انھیں نکالتے لیکن قدر شناسانِ حقیقت ابوذری اور بھی آپ سے قریب ہوتے۔

ایک دن حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن (جہاں کے آپ صوبہ دار اور ناظم تھے) سے واپس آئے تو حضرت ابو ذر رضؓ سے بھی ملنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت ابو ذر رضؓ کھڑے ہوئے تھے ابو موسیٰ اشعری رضؓ پیچھے سے آکر آپ کی کمر میں لپٹ گئے۔

حضرت ابو ذر رضؓ آپ کو دیکھتے ہی بگڑنے لگے، وہ کمر سے لپٹے ہوئے ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔

مرحبا یا اخی | میرے بھائی مرحبا

مگر آپ کی یہ کیفیت ہے کہ

اِلَیْکَ عَنِّیْ اِلَیْکَ عَنِّیْ | ہم سے دور رہو۔ ہم سے دور رہو۔

فرما رہے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری ایک دُبلے پتلے آدمی تھے اور آپ بھاری بھرکم بدن کے تھے، وہ چمٹے ہوئے ہیں اور حضرت ابو ذر جھٹکے دے دے کر چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان سے چھوٹ جاؤں۔ دیر تک کشاکش ہوتی رہی۔

"دور رہو، دور رہو، ہم تم سے ملنا نہیں چاہتے!"

آپ کی زبان پر جاری ہے۔ حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ "دور

کیوں رہوں گا۔ تم میرے بھائی ہو۔"

آپ اس کا جواب دیتے کہ نہیں، اب تم میرے بھائی نہیں رہے۔ تم سے برادری اسی وقت تک تھی۔ جب تک کہ تم کسی صوبہ کے عامل اور ناظم مقرر نہیں ہوئے تھے۔"

الغرض دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور خدا جانے آخر میں ان دونوں نے کیا فیصلہ کیا۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر میں پھر راضی ہو گئے۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ بگڑنے اور خفا ہونے کے بعد پھر نرم بھی پڑ جاتے۔ کیونکہ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بحرین کے ناظم اور صوبہ دار تھے) جب وہاں سے آئے تو آپ سے ملنے گئے اور اسی طرح کمر میں لپٹ گئے۔ حسب دستور ان کو بھی آپ نے

| | |
|---|---|
| الیك عنی | مجھ سے الگ رہو۔ دور رہو۔ |

کہنا شروع کیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

| | |
|---|---|
| مرحبا یا اخی | بھائی مرحبا |

فرماتے جاتے تھے اور آپ ان کی انگلیاں پکڑ کر چاہتے تھے کہ نکل بھاگوں، مگر وہ بھی زبردست تھے۔ کب چھوڑتے، آخر تھک کر

آپ نے پوچھا کہ تم اِن لوگوں (یعنی خلفا کے وقت) کی طرف سے کسی صوبہ کے عامل مقرر ہوئے یا نہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے صوبہ داری قبول کرلی۔ آپ نے پوچھا تو صوبہ داری کے زمانہ میں کوئی اونچی کوٹھی بھی تم نے بنوائی، کوئی بڑی زمینداری بھی حاصل کی۔ اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ کے تم مالک بھی ہوئے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، میں نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز حاصل نہیں کی، یہ سُن کر خوش ہوگئے، اور پھر خود گلے لگا کر فرمانے لگے ہاں! تو تم میرے بھائی ہو، تم میرے بھائی ہو۔[1]

الغرض عموماً اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر ناز کرتے، اور صحابہ بھی آپ کی نازبرداریوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے، آپ ہر شخص کو ڈانٹ دیتے تھے، ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو ٹوک دیتے نہ کسی سے ڈرتے تھے اور نہ کسی سے دبتے تھے سب کو اپنا ہم عصر ہم جماعت سمجھتے تھے۔ بہرحال اس سلسلہ میں بھی واقعات بہت ہیں لیکن بایں ہمہ ڈانٹ ڈپٹ، غیظ و غضب، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا شمار جلیل القدر صحابیوں میں ہے۔ ایک دفعہ حضرت

---

[1] یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔

ابوذرؓ ان کے سامنے سے گزر رہے تھے اور وہ اپنے ایک مکان کی تعمیر کرا رہے تھے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا "آخر تم نے بھی پتھر کی چٹانیں لوگوں کے کندھوں پر لدوائیں"۔ حضرت ابودرداء بولے کہ "بھائی میں تو ایک مکان بنوا رہا ہوں" مگر حضرت ابوذر فقرۂ بالا ہی کو دُہراتے رہے۔ آخر میں حضرت ابودرداء نے کہا "شاید آپ کو میرا یہ مکان بنانا ناگوار ہوا" حضرت ابوذرؓ بولے۔ "ابودرداء کاش! میں تمہارے سامنے سے گزرتا، اور تم کو اپنے گھر کی غلاظتوں (گھوڑے) پر پاتا۔ یہ اس سے زیادہ پسندیدہ تھا، جس حال میں تم کو اس وقت پا رہا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دن ملاقات ہوئی۔ اُن کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی جس کے قبضہ پر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھکر بولے "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، جس نے پیلے یا سفید (دینار و درہم) کو چھوڑا ان ہی سے قیامت میں داغا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ مطلب سمجھ گئے۔ اُسی وقت تلوار ہاتھ سے پھینک دی (بیہقی صہ ۱۲۴)

تم نے دیکھا کہ بجائے جھگڑنے کے حضرت ابوہریرہؓ نے تلوار ہی پھینکدی۔ اور جانتے ہو، ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر آپ اسقدر بگڑے ان کا کیا حال تھا۔ استیعاب میں ہے کہ جب حضرت

ابو درداءؓ کو خبر ہوئی کہ ابوذر ربذہ چلے گئے، تو فرماتے تھے اگر ابوذر میرے جسم کی بوٹی بھی اڑا دیتے تو میں اُن کو ملامت نہیں کر سکتا تھا۔ اسی ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلہ میں آئندہ اِس واقعہ کا بھی ذکر آئے گا، کہ کعب احبار کا جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے تابعین میں شمار تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں بر سرِ دربار ایک خاص مسئلہ میں جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے ان کو سخت سُست بھی سُنایا اور ڈنڈا بھی رسید کیا، کہتے ہیں کہ بیچارے کا سر کھل گیا تھا۔

## حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب

البتہ حضرت ابوذرؓ کسی کے تقویٰ و زہد علم و معرفت کے آگے اگر جھکتے تھے، تو وہ صرف ایک وحید ذات حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر آتی ہے۔

بلکہ میں جب ان عظمتوں اور توقیروں کے واقعات پڑھتا ہوں، جو آپ حضرت عمرؓ کی کیا کرتے تھے، تو پھر آپ کی مجذوبیت تک میں مجھے کچھ شبہ سا ہو جاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شاید جذب کی شانوں میں ایک شان ان کی یہ بھی تھی، کہنے والوں نے جو کہا ہے کہ یہ وہ گروہ اللہ والوں

کا ہے، جو کبھی تو طارمِ اعلیٰ کی خبر لاتا ہے اور کبھی اپنے پشتِ پا کی بھی اُسے خبر نہیں ہوتی۔

مسندِ احمد میں ایک یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سے ایک شخص گزرا جس کا نام غضیف بن حارث تھا۔ اگرچہ وہ صحابی نہ تھے، لیکن رشد و صلاح کے زیور سے آراستہ اور سینے میں پاک دل رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔

| نعم العبد غضیفۃ [۱] | غضیف کیا اچھا بندہ ہے۔ |
|---|---|

حضرت ابوذرؓ وہیں کہیں کھڑے تھے۔ جب غضیف آگے روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے پیچھے ہو لئے اور سامنے آکر نہایت لجاجت اور غایت عاجزی سے فرمانے لگے۔

"بھائی میرے لئے دعا کرو، خداوند تعالیٰ کے دربار میں
میری بخشائش کی سفارش کرو، کہ وہ میرے گناہ معاف فرمادے"

---

[۱] اِن کا پورا نام غضیف بن الحارث بن زنیم السکونی ہے بنی کندہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے تاہم جلیل القدر اصحاب النبیؐ کی صحبت میں مدتوں رہے ہیں حضرت بلال حضرت فاروق، ابو عبیدہ بن الجراح، ابو ذر، ابو درداء، حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیثیں روایت کرتے ہیں آخر زمانہ میں حمص میں توطن اختیار کیا اور وہیں وفات ہوئی۔
(تہذیب التہذیب ص ۲۴۹ ج ۸)

غضیف، حضرت ابوذر کو اِس حال میں دیکھکر گھبرا گئے اور متعجبانہ لہجہ میں فرمانے لگے۔

"حضور یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ احق ہیں کہ میرے لئے استغفار کریں، نہ کہ میں"

حضرت ابوذرؓ نے اس کے بعد جو کچھ فرمایا تھا وہ ان تمام اندرونی جذبات کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ جو آپ کے دل میں حضرت عمرؓ کی جانب سے موجزن تھے، آپ نے کہا۔

"کہ میں نے عمر بن الخطابؓ کی زبان سے ابھی سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا، نعم العبد غضیف (غضیف بہت اچھا بندہ ہے۔) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچائی اور راستی عمرؓ کی زبان پر چسپاں کردی گئی ہے"

مقصد یہ تھا کہ جب تم کو فاروقِ اعظم نے اچھا کہا ہے تو یقیناً تم اَچھے ہو اور اچھوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

یہاں یہ مسئلہ قابلِ غور ہے کہ عموماً امامیہ طبقے کے لوگ بھی حضرت ابوذرؓ کو اصحاب طیبین وطاہرین میں شمار کرتے ہیں لیکن حضرت ابوذر

جس ذات کو طیّب خیال فرماتے تھے۔ اور جس کی تصدیق کو گویا آسمانی تصدیق وہ سمجھتے تھے کس قدر عجیب ہے کہ ان کی اونچی شان پر وہ منہ آتے اور اُن کی پاک نیت پر حملے کرتے ہیں غضیف سے حضرت ابوذرؓ نے جس چیز کی درخواست کی تم خود انصاف کرو کہ کیا تقیہ کی کسی شق کے نیچے وہ داخل ہوسکتا ہے؟ ان کو کس نے مجبور کیا تھا کہ خواہ مخواہ غضیف سے دعا کے لئے الحاح وزاری کریں فمال هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔

**سفرِ دمشق الشام** مدینہ منوّرہ کے قریب ایک نامی پہاڑ سلع[1] ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیّت کی تھی کہ

اذا بلغ البنیآء سلعا فارتحل الی الشام (مسند احمد ابو یعلیٰ) | جب مدینہ کی آبادی جبل سلع تک پہنچ جائے تو تم شام کی طرف کوچ کر جانا۔

یہ فرمان کیوں دیا گیا تھا، اسکی صحیح علت مجھے معلوم نہیں، مراتب

---

[1] یہ پہاڑ اس نام سے مدینہ منورہ کے سامنے ابتک موجود ہے یہی وہ کوہِ مبارک ہے جس کا ذکر حضرت یسعاہ نبی کی کتاب میں ان لفظوں میں آیا ہے سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ کون نہیں جانتا کہ طلع البدر علینا کا گیت سلع کے باشندوں نے کب گایا اور کس کیلئے گایا۔

سلوک میں سلع کی آبادی سے کیا نقصان پہنچتا تھا[1]۔ مرشد و مرید کے علاوہ اسے کون جان سکتا ہے تاہم قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی اِس قدر معمور ہو جائیگی تو اس وقت اس کا تمدن بہت بڑھ جائیگا۔ اور حضرت ابوذر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز بنانا چاہتے تھے، چوں کہ اس کے لئے اتنی مدنیت مضر ہوتی۔ اس لئے آپ نے شام

---

[1] البتہ کامل ابن اثیر وغیرہ مورخین کا یہ بیان اگر صحیح ہے کہ دمشق سے حضرت عثمانؓ کی طلبی پر جب حضرت ابوذر مدینہ منورہ تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مدینہ کا وہی چھوٹا سا قصبہ عہد عثمانی کے ان دنوں میں ترقی کرتے ہوئے اس نقطہ تک پہنچ گیا تھا کہ اذا المجالس فی اصل جبل سلع (یعنی کوہ سلع کے دامن میں ابوذر نے دیکھا کہ نشست گاہیں بنی ہوئی ہیں) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسوقت کتنا عظیم الشان شہر ہو گیا تھا۔ بنتے ہوئے گویا مکانات سلع کے دامن تک پہنچ گئے تھے۔ بہرحال اس حال کو دیکھکر حضرت ابوذر پر ایک حال طاری ہو گیا۔ اور بے اختیار زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔ بشر اہل المدینۃ لغارۃ شعواء و حرب مذکار (بشارت سنادو مدینہ والوں کو ایک تباہ کن لوٹ مار کی اور یاد رہ جانے والی جنگ کی) صفحہ ۹۴ ج ۲ اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ یزید کے زمانہ میں واقعہ حرہ کے وقت جس بیدردی کے ساتھ لوٹا گیا کہ مسجد نبوی میں اذاں دینے والا کوئی نہ تھا۔ صحابہ اور صحابہ کی اولاد کا قتلِ عام کئی دن تک ہوتا رہا۔ یہ اس کی طرف اشارہ تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از قبل ابوذر کو اس ہائلہ فتنہ سے مطلع فرمادیا تھا ۱۲

کی روانگی کا حکم دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کے بعد جب مختلف مقبوضات میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ تو حضرت ابوذرؓ نے شام کے "مکتبہ" یعنی فوجی چھاؤنی میں اپنا نام لکھوایا۔ اور وہیں تشریف لے گئے، کب گئے؟ گو حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات ہی کے بعد یہ قصہ پیش آیا۔ لیکن قرائن کا اقتضا ہے کہ عمر فاروق رض کے عہد میں جب عسکری تنظیم مقبوضات کی حفاظت کے لئے کی گئی۔ اس وقت شام کی چھاؤنی سے آپ نے اپنا تعلق اختیار فرمایا۔ انساب الاشراف بلاذری میں بھی لکھا ہے کہ کان مکتبہ بالشام الا انہ کان یقدم حاجاً۔ قال عثمان الاذن لہ فی ذالک (یعنی ان کی اصل چھاؤنی تو شام میں تھی، لیکن اجازت لے کر حج کے لئے حجاز بھی آتے اور حضرت عثمانؓ سے کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے جوار میں کچھ دن رہنے کی اجازت دو، وہ ان کو اجازت عطا کرتے۔) گویا یوں مکہ اور مدینہ میں ان کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری تھا، لیکن اصل قیام گاہ ان کی شام ہی کے شہر دمشق میں تھی۔ (دیکھو البلاذری ص۵۶ ج ۵)

بہر حال اتنا قطعی ہے کہ خلافتِ عثمانی میں حضرت ابوذرؓ دمشق میں

تھے، وہاں کملوں کا ایک معمولی سا جھونپڑا ڈال لیا تھا۔ جس میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ زندگی گزارتے تھے[1]

**مسئلہ کنز** جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر حضرت ابوذرؓ کا خاص شیوہ تھا۔ سچائی کے اعلان میں دنیا کی کوئی قوت آپ کو روک نہیں سکتی تھی۔ حتیٰ کہ خود علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے، جیسا کہ گزر بھی چکا یعنی

"کہ اللہ کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کے طعنوں سے نہ ڈرنے والا صرف ابوذرؓ رہ گیا ہے۔"

الغرض مشکوٰۃ نبوتؐ سے جو روشنی آپ کو عطا کی گئی تھی اس روشنی کے عام کرنے میں آپ کبھی دریغ نہیں فرماتے تھے جب موقع ملتا اسی فکروعمل میں مصروف رہتے۔ حتیٰ کہ تم آغازِ کتاب میں پڑھ آئے ہو، کہ اعلانِ توحید میں آپ پر کیا کیا مصائب نازل ہوئے لیکن آپ کو اس کی کوئی پروانہ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب آپ شام تشریف لائے، تو یہاں بھی آپ نے وعظ و درس کا باب کھول دیا۔ اشاعتِ سنت میں منہمک ہو گئے۔ اس زمانہ کے مواعظ کے بعض بلیغ فقرے تاریخوں میں محفوظ بھی ہو گئے ہیں مثلاً

---

[1] طبقات ابن سعد جزرابع۔

البلاذری نے نقل کیا ہے۔

شام میں حضرت ابوذرؓ فرماتے تھے، خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں، کہ سچائی بجھ رہی ہے، جھوٹ زندہ کیا جارہا ہے، سچے جھٹلائے جارہے ہیں؛ بغیر تقویٰ کے لوگ خود غرضیاں اختیار کر رہے ہیں۔" (البلاذری ص۶۶ ج۵)

بہرحال اسی ضمن میں آپ نے مسئلہ کنز کی بھی تبلیغ شروع کی جو لوگ کنز کے مرتکب تھے، ان کو دھمکاتے ڈراتے۔ فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جو لوگ چاندی اور سونے پر گرہیں لگاتے ہیں وہ شعلے بن کر ان سے لپٹیں گے، جب تک کہ اسے خدا کی راہ میں صرف نہ کردیں۔"

کبھی بیان کرتے کہ کانزیں (یعنی سونے چاندی جمع کرنے والوں کو مژدہ سنادو! کہ جہنم کی آگ میں تپائی ہوئی تختیاں ان کی ایک پستان پر رکھی جائیں گی، حتیٰ کہ وہ سینہ کو توڑ کر مونڈھے کی ہڈیوں سے نکل جائیں گی۔ اسی طرح پھر مونڈھے کی ہڈیوں پر دھری جائیں گی حتیٰ کہ وہ دوسرے پستان کی طرف توڑ کر باہر نکل جائے گی۔[۱]

---

[۱] بخاری کتاب الزکوٰۃ ۱۲

کبھی ارشاد فرماتے مال دارو! غریبوں کی مدد کرو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

| | |
|---|---|
| والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب علیم یوم یحمی علیها فی نار جهنم فتکوی بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔ | جو لوگ سونا چاندی کو سینت سینت کر رکھتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کو دردناک دکھ کا مژدہ سنا دو اُس دن وہی چاندی سونا آگ میں گرم کئے جائیں گے۔ پھر ان کی پیشانیاں۔ اور پہلو اور پیٹھ اس سے داغی جائینگی اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جسے اپنے فائدہ کے لئے تم نے اکٹھا کر رکھا تھا۔ پس چکھو اس چیز کو جسے تم لوگ جمع کرتے تھے۔ |

الغرض متواتر مسجدوں، بازاروں میں آپ کا یہی بیان ہوتا رہا۔ مورخین کا بیان ہے، اس واقعہ سے عام طور پر دمشق میں برہمی پھیل گئی۔ غرباء اُمراء کو تنگ کرنے لگے، ایک آفت برپا تھی۔ طبری میں ہے

| | |
|---|---|
| حتی ولع الفقراء بمثل ذلك واوجبوه علی الاغنیاء [1] | غربا اس قسم کی باتوں سے دلچسپی لینے لگے اور امیروں پر اس کو واجب کر دیا (کہ جو کچھ ان کے پاس ہو اُسے خرچ کر دیں۔) |

[1] تاریخ طبری صہ ۶۱ ج ۵ ۱۲-

چوں کہ اس مسئلہ نے آیندہ چل کر ایک اہم صورت اختیار کی۔ اس لئے ہم اس میں کچھ تفصیل سے کام لینا چاہتے ہیں خصوصاً اس لئے بھی کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کسی نے آپؓ کے اصل مقصد تک پہنچنے کی صحیح کوشش غالباً نہیں کی۔ لوگ سرسری طور پر ان کی باتوں کو سُن کر گزرتے رہے۔ اور یوں عام طور سے اہلِ علم میں بھی ایک غلط بات مشہور ہو گئی ہے۔

**آپ کے مذہب کی صحیح تنقیح**

مختلف لوگوں نے آپ کے خیال کی مختلف شرح کی ہے۔ ہم پہلے علماء کی آراء درج کرتے ہیں۔ اخیر میں جو کچھ میری رائے ہے اُسے بیان کروں گا۔ واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

عام طور سے اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کو جمع کرنا حرام سمجھتے تھے حافظ ابو عمرو بن عبدالبر رحؒ کہتے ہیں۔

وردت اثار کثیرة عن ابی ذر تدل علی انه کان یذھب الی اَن کلَّ مالٍ مجموعٍ یفضل علی القُوتِ وسداد العیشِ فھو کنز یذمُّ فاعِلہ واَنَّ

ابوذر سے بکثرت ایسی باتیں منقول ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ کھانے پینے اور سامانِ زندگی کے علاوہ ہر ایک قسم کے مال جمع کرنے کو کنز کہتے تھے اور اس کے مرتکب کی مذمت فرماتے تھے اور قائل تھے کہ وعید کی آیت قرآن مجید میں

آیۃ الوعید نزلت فی ذالک۔ | ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے
لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ آثار کن کتابوں میں مذکور ہیں۔
طبقات مسندات۔ مصنفات۔ اس کے علاوہ عموماً تاریخ وحدیث کی
کتابیں ہمارے پاس ہیں ان میں اس بڑے دعوے کی کوئی دلیل
نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہوئی ہے کہ قاضی عیاض اور حافظ بن حجر وغیرہ نے
آپ کے "نظریۂ کنز" کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قاضی عیاض کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عام طور پر ہر شخص کے لئے اس کو حکم نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کی کل
دھمکیاں ان بادشاہوں کے ساتھ مخصوص تھیں جو رعایا سے روپئے
وصول کرکے محض اپنے عیش وآرام، جاہ وجلال میں صرف کرتے
ہیں، اور جن لوگوں کے واقعی حقوق ہیں، اُن کو محروم رکھتے
ہیں۔

علامہ نودی کو اس توجیہ پر غصہ آگیا ہے اور نہایت سختی کے
ساتھ فرماتے ہیں۔ کہ ابوذرؓ اپنے زمانہ میں لوگوں کو دھمکاتے
پھرتے تھے۔ پھر اس قسم کے ظالم دعیش پسند بادشاہ اس زماد میں
کب موجود تھے، کہ وہ تو خلفائے صدیقین و امرائے عادلین مثل
ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عہد تھا۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا در اصل یہ مطلب نہ تھا کہ خود اپنے مال کے جمع کرنے میں بھی انسان داغا جائے گا، بلکہ آپ کا یہ فتویٰ ان لوگوں کی حد تک محدود تھا، جو دوسروں کا مال لے کر جمع کرتے ہوں۔ اور جب اصلی مالک اس کا مطالبہ کرتا ہے تو "ہاں نہیں" میں ٹال دیتے ہیں، اس لئے اپنے مال پر کسی کی تعذیب کیوں ہو۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ کا فتویٰ تھا۔ کہ اگر زکوٰۃ نکالنے کے بعد ہمارے پاس ایک پہاڑ کے برابر سونا ہو تو ہمیں پھر کوئی خوف نہیں[1]۔

حافظ نے اس کے بعد ایک اور توجیہ بیان کی ہے چونکہ وہ بجنسہٖ قاضی عیاض کی تاویل کا ترجمہ ہے اس لئے اسے قلم انداز کرتا ہوں۔

**ناچیز کی رائے** اگر امام نووی کو قاضی عیاض پر اور قاضی عیاض کو اپنے گذشتہ مؤلفین و مصنفین پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہے، تو میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اگر اعتراض کا نہیں تو کم از کم اپنے خیالات کے اظہار سے کیوں روکا جائے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں جو کچھ آئندہ لکھوں گا، اس میں غلطی کی گنجائش نہیں۔ دیوانہ ہے جو ایسا

---

[1] فتح الباری شرح البخاری سے یہ تفصیلات نقل کئے گئے ہیں ۱۲۔

ہے۔ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّا خُلِقَ کے بعد اس قسم کی متکبرانہ دعاوی کا حق کس کو حاصل ہے؟ بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہُدیٰ و روشن طرز و طریقۂ روایات و اقوال سے میں جو کچھ سمجھتا ہوں اسے پیش کیے دیتا ہوں۔

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے، کہ خصوصیت کے ساتھ نقدی (سونا چاندی) جمع کرنے کی چیز نہیں، علاوہ ان نقدین کے آپ کسی اور چیز کے جمع کرنے کو منع نہیں فرماتے تھے۔ میرے نزدیک حافظ ابو عمر بن عبدالبرؒ کا کہنا کہ "کل مال مجموع" مال کا لفظ جو ہر ایک قسم کے مال پر صادق آتا ہے، قابلِ اصلاح ہے، بلکہ کہنا یہ چاہیئے کہ "کل ذہب و فضۃ" یعنی ہر قسم کا سونا و چاندی پھر نقدی کے بارہ میں بھی آپ کا یہ خیال کبھی نہ تھا کہ حاجت سے اگر زیادہ ہو تو خدا کی راہ میں وہ لٹا دیا جائے، بلکہ خود آپ کے قول و عمل سے عنقریب معلوم ہوگا، کہ آپ کی رائے یہ تھی کہ

(۱) اگر روپے اشرفیاں حاجت سے زیادہ ہیں تو ان کو فوراً کسی مفید چیز کی صورت میں بدل دو، تاکہ ایک مفید جائداد ہو جائے یا روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آئے۔ مثلاً اس سے زمین خرید لی جائے بکریاں مول لے لی جائیں۔ جن کے بچوں سے دودھ کا فائدہ حاصل ہو۔

گدھے، گدھیاں، اونٹ وغیرہ لے لئے جائیں، تاکہ بار برداری، سواری میں ان سے آرام لے، یا پیسے بنا لئے جائیں، جو روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آتے رہتے ہیں۔

(۲) اور اگر یہ چیزیں کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ ہیں تو پھر وہ اُخروی تجارت شروع کرے۔ یعنی بے کھٹکے ایک اٹھنی کی دس اٹھنیاں قطعاً بناتا چلا جائے۔ البتہ جو لوگ نہ وہ کرتے ہیں اور نہ یہ کرتے ہیں، بلکہ خواہ مخواہ سونا چاندی جمع کرنے کا جن کو شوق ہے ان کے حق میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ الآیۃ | اور جو لوگ جمع رکھتے ہیں۔ سونا اور چاندی اور اس کو نہیں خرچ کرتے اللہ کی راہ میں تو (اے محمدؐ) ان کو خوش خبری سنا دو دردناک عذاب کی۔ |

حتیٰ کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونے کے زیور کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ سونا زیور کی صورت میں مقید ہو جائے۔ کیونکہ مسند میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک اعرابی آیا۔ جس میں حضرت ابوذر رض بھی شریک تھے۔ اور آ کر کہا۔

| | |
|---|---|
| اکلتنا الضبع یارسول اللّٰہ یعنی السنۃ | ہم لوگوں کو قحط کھا گیا۔ یارسول اللہ |

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں اس سے زیادہ اُس وقت سے ڈر رہا ہوں جب تم لوگوں پر دنیا خوب اچھی طرح بہائی جائیگی (یعنی وہ اس قحط سے زیادہ خطرناک اور ایامِ آزمائش ہوں گے) اور اس کے بعد نہایت حسرت سے آپ نے ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| فیالیت امتی لا یتحلون الذھب۔ | کاش میری امت سونے کا زیور استعمال نہ کرتی۔ |

اس روایت سے گو سونے کی حُرمت مطلقاً نہیں معلوم ہوتی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی تمنا یہی تھی کہ میری امت (خواہ مرد ہو یا عورت کہ لفظِ عام ہے) سونے کو استعمال نہ کرتی۔

حضرت ابوذرؓ کے اندر جو جذب کی کیفیت موجود تھی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس منشاءِ نبوت نے ان میں کس اثر کو پیدا کر دیا ہوگا۔ اگر میں یہ کہوں کہ انھوں نے امت پر سونے کو حرام کر دیا ہوگا تو کیا بعید ہے خصوصاً حدیث کے جب وہی راوی بھی ہیں۔ خلاف میں اس کے ان کا

کوئی فتویٰ بھی نہیں پایا جاتا۔ تو یہ بات امکان سے بہت قریب ہو جاتی ہے، جیسا کہ بعض ارباب فتاویٰ کی رائے بھی ہے۔ بہر حال اگر وہ طلائی زیوروں کو حرام نہیں تو کم از کم ناپسند ضرور خیال فرماتے ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس پر زکوٰۃ ضرور فرض سمجھتے ہوں گے، جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

**مندرجہ بالا دعوے کے وجوہ** میرے نزدیک آپ کی رائے کی صحیح تصویر یہی ہے طبقات و مسند اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ کثرت سے ان دونوں میں ایسی چیزیں ملتی ہیں۔ جن سے ہمارا دعویٰ مدلل ہو جاتا ہے خود آپ کے ذاتی عمل اور قول سے اس کا پتہ چلتا ہے جس سے بڑھکر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی باتیں ظاہر ہے کہ کیا وقعت رکھتی ہیں۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے۔

(۱) آپ اپنی تنخواہ سے سال بھر کی ضرورت کی چیز خرید لینے کے بعد باقی روپیوں کے پیسے بھنا لیتے تھے۔

(۲) جب شام سے آپ کے اہل و عیال واپس ہوئے (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) تو ان کے پاس ایک کیسہ برآمد ہوا۔ لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی۔ اس پر آپ کی بیوی نے فرمایا۔ کہ قسم

خدا کی اس میں اشرفی اور دراہم نہیں ہیں، بلکہ پیسے ہیں، جسے ابوذرؓ ضروریات کے لئے بھنا لیا کرتے تھے [۱]

حلیہ میں قریب قریب اسی قسم کی ایک حکایت اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی صاحبہ کو دیکھا، ان پر ایک ادنیٰ برقعہ پڑا ہوا تھا۔ چہرہ کا رنگ جھلسا ہوا تھا ان کے ہاتھ میں ایک قَفَّہ (خشک کدو کے تونبہ کو کہتے ہیں) بھی تھا۔ صاحبزادی صاحبہ حضرت ابوذرؓ کے سامنے آکھڑی ہوگئیں اور فرمانے لگیں۔ ابّا جان! کاشتکاروں اور کسانوں کا خیال ہے کہ آپ کے پیسے جو اِس میں (قفہ) ہیں یہ بھی ضرورت سے زائد ہیں۔

حضرت ابوذرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ بیٹی! اس کو اپنے پاس رکھو! الحمدللہ کہ تمہارے باپ نے کبھی کسی رات کو اس حال میں دن نہیں کیا ہے کہ وہ زرد و سفید (زر و سیم) کا مالک ہو۔ مگر تھوڑے سے پیسے یعنی اتفاقی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ان کو ضرور رکھتا ہوں۔

(۳) آپ کے پاس گدھیاں بھی تھیں، گدھے بھی تھے جو باربرداری وغیرہ میں کام آتے تھے [۲]

(۴) آپ کے پاس اونٹ بھی تھے، جن پر علاوہ سواری کے پانی

---

[۱] تاریخ طبری و طبقات ۱۲۔ [۲] طبقات ۱۲۔

لایا کرتے تھے [1]

(۵) آپ کی مِلک میں زمین بھی تھی۔[2] خواہ بصورت کھیتی یا باغ

(۶) خود آپ سے روایت ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. ما من صاحب ابل ولا بقر ولا غنم لا یودی زکوٰتھا الا جاءت یوم القیٰمۃ اعظم ما کانت واسمنہ تنطحہ بقرونھا وتطؤہ باخفافھا کلما نفذت اُخرھا عادت. اولھا حتیٰ یقضی بین الناس (مسند احمد)

جو شخص اونٹ یا گائے بکری کا مالک ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے قیامت کے دن اس کے یہ جانور لائیں گے. دنیا میں جسقدر بڑے ہوں گے قیامت کے دن اس سے زیادہ بڑے کر کے لائے جائیں گے اسی طرح دنیا میں جس قدر موٹے ہوں گے، اس سے زیادہ موٹے کر کے قیامت کے دن لائے جائیں گے، اور پھر اپنے مالک کو سینگ ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے جبتک حساب و کتاب کا معاملہ ختم نہ ہوگا یہ اسی طرح کرتے رہیں گے، جب ایک قطار ختم ہو جائے گی دوسری لوٹے گی۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مویشیوں کی جب زکوٰۃ

---

[1] طبقات ۱۲ [2] مسند احمد میں ہے الی ضیعۃ لہ ضیعۃ کے معنی مجمع البحار میں ہیں ھی البساتین والزراعۃ

ادا کردی جائے، تو پھران کے رکھنے میں مضائقہ نہیں اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اجازت دیں، اسی اجازت کے خود حضرت ابوذرؓ راوی ہوں اور پھر اس کی مخالفت کریں۔

الغرض حضرت ابوذرؓ کو اجازت تھی کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد آدمی جس قدر اونٹ گائے وغیرہ رکھ سکتا ہو، رکھے۔ اس کے لئے کوئی وعید نہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابوذرؓ سے ایک اور روایت ہے جس سے میری اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صرف سونا اور چاندی کو سونا اور چاندی کی شکل میں جو چیز بھی ہو اس کو بلا وجہ گاڑنے یا جمع کرنے کے مخالف تھے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔

| | |
|---|---|
| یا اباذر اَعقِلُ ما اقولُ لك العناق یاتی رجلا من المسلمین خیرٌ لہ من اُحُدٍ ذھب یترکہ وراءہ. (مسند احمد ص۱۸۱) | اے ابوذر! سمجھو اس کو جو میں کہتا ہوں قطعاً ایک بکری جو کسی مسلمان کو حاصل ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ احد کے برابر اس کے سونا ہو، پھر اپنے بعد اس کو چھوڑ جائے۔ |

الفاظِ حدیث بجنسہ میں نے نقل کردئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا مفہوم وہی ہے جو میں نے ترجمہ میں ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے

کہ بجائے "سونے" کے آدمی کے لئے بکری کا ایک بچہ زیادہ مفید ہے، یعنی وہ ایک بڑھنے اور بڑھانے والی چیز ہے۔ خصوصاً عرب میں آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ اونٹ اور بکریاں ہی تھیں۔ اس لئے آپ نے بکری کا ذکر کیا۔ ورنہ بظاہر مطلب اس کا یہی ہے کہ زر کو آمدنی پیدا کرنے والی نفع بخش چیزوں میں لگا دینا زیادہ مفید ہے۔ بہ نسبت اس بات کے کہ زر کو زر ہی کی شکل میں مقید کر کے کہیں دفن کر دیا جائے۔ چونکہ مسلمانوں کے معاش کا ذریعہ یا تو اس قسم کی جائز آمدنیاں ہیں یا وہ اموال ہیں جو بذریعہ جہاد حاصل ہوئے ہیں۔ شاید اس کی طرف اسی حدیث کے ان آخری الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی آنحضرت نے ابوذرؓ کو پھر مخاطب کر کے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اعقل یا اباذر ما اقول ان الخیل فی نواصیھا البرکۃ الیٰ یوم القیامۃ انّ الخیل فی نواصیھا الخیر۔ | سمجھ اس کو اے ابوذر، جو میں کہتا ہوں کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے برکت رکھی گئی ہے، گھوڑوں کی پیشانی میں برکت ہے۔ |

ارباب حدیث جانتے ہیں کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خیر اور آمدنی کا بڑا ذریعہ گھوڑا ہے۔ یعنی مسلمان اسوقت تک فارغ البال ہیں۔ جبتک وہ جہاد کرتے رہیں گے جسکی تعبیر گھوڑے

سے کی گئی کہ عرب سپاہیوں کی سب سے اہم شئے جنگ کے لئے گھوڑے ہی تھے اور اب تک ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسلمانوں کی معاشی ضرورتوں پر گفتگو فرما رہے ہیں۔ اُحد پہاڑ کے برابر مخزونہ و مدفونہ دولت کے مقابلہ میں ادنیٰ نفع بخش آمدنی پیدا کرنے والی چیز (عناق) کو آپ نے ترجیح دی۔ پس حافظ ابن عبدالبرؒ کا یہ کہنا کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کے لئے کنز عام رکھتے تھے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟

اِن امور کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں تو کیا کسی غلط نتیجہ پر پہنچے ہیں؟ تم خود غور کرو، کہ یہ باتیں جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں اگر صحیح ہیں اور انشاء اللہ ہیں، تو پھر ہمارے دعویٰ کی صداقت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟

اور جب ایسا ہے، تو پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جن غلط نویسوں نے آپ کی طرف یہ فتویٰ منسوب کیا ہے کہ ابوذر رضہ کا خیال تھا کہ۔

صاحب المال کافر | مال والے کافر ہیں۔

یہ ان کے تدبر کا نتیجہ ہے۔ میں متحیر ہوں کہ جب سیر کی جیّد و مؤثق کتابیں اس فتوے سے معرا ہیں، حدیثوں میں اس کا پتہ نہیں لگ

ان کتابوں میں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اس کے خلاف ہے تو پھر یہ کیا ظلم ہے کہ بغیر تحقیق کے ایسے نفوس بھی جن کو اپنی تاریخی وسعت نظر یوں پر ناز ہے، اس بے سروپا فتوے کو نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی تغلیط بھی نہیں کرتے، عفی اللہ عنہم

ہاں اس قدر میں بھی مانتا ہوں کہ خاص ذہب (سونا) فضہ (چاندی) کے متعلق آپ کا یہ خیال ضرور تھا، کہ یہ جمع کرنے کی چیزیں نہیں ہیں میں حضرت ابوذرؓ کے مسلک کی تائید کرنا نہیں چاہتا۔

## مسلکِ ابوذری پر ایک اجمالی تبصرہ

لیکن اس قدر ضرور کہہ سکتا ہوں، اگر آپ ایسا فرماتے تھے تو شریعت اسلامیہ میں اس خیال کے پیدا ہونے کی مناشی صحیحہ موجود ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام نے سونے اور چاندی کے زیوروں کو مردوں پر حرام کر دیا ہے اور طلائی و نقرئی ظروف کے استعمال کی بھی اسلام نے مرد و عورت دونوں کے لئے قطعاً ممانعت کر دی۔ آخر یہ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے کہ سونا چاندی خود کوئی مفید چیز نہیں۔ بلکہ اخروی و دنیوی دونوں ترقیوں کے یہ آلے ہیں۔ اگر کسی کے پاس دس ہزار اشرفیاں ہیں اور ان کو اس نے زمین میں دفن کر دیا تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے خود اپنے نفس پر اپنے بال بچوں پر اور قوم پر ظلم کیا، کہ جتنے دنوں تک وہ آغوشِ

زمین پر سوتی رہیں گی۔ کاش ان سے تجارت کی چیزیں خریدی جاتیں تو اسی عرصہ میں وہ دس ہزار سے بیس ہزار بن جاتیں۔ یا اگر انھیں خدا کی راہ میں صرف کر دیتا تو ہر اشرفی کے مقابلہ میں اسے دس اشرفیوں کا قطعی فائدہ ہو جاتا جو کسی طرح زوال پذیر نہیں۔

سونے کو برتن یا زیور کی صورتوں میں مقید کر دینے کے یہ معنیٰ ہیں کہ برکتوں اور آمدنیوں کے وسیع دروازہ پر قفل لگا دیا گیا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوذر رض جس حدیث سے استدلال فرمایا کرتے تھے۔ تاویلوں اور توجیہوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد ظاہر نص کا بھی کیا یہی مقتضیٰ نہ تھا؟

اسی کے ساتھ خود قرآن کریم نے جس چیز کو جمع کرنے پر بنی آدم کو داغ دینے کی دھمکی دی ہے وہ گھوڑے، گدھے، اونٹ زمین واموال تجارت کچھ نہیں ہیں۔ بلکہ خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم | اور جو لوگ کہ سونا چاندی کو سینتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے انھیں درد ناک دکھ کا مژدہ سنا دو جس دن یہ چیزیں جہنم کی آگ میں تپائی جائیگی پھر انکی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں ان سے داغی جائینگی اور |

وجنوبھم وظھورھم ھٰذا ماکنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون۔

(کہا جائے گا) یہ وہی ہے جسے تم اپنے لئے جوڑ کر رکھتے تھے پھر آج جس چیز کو جوڑ کر رکھتے تھے۔ اس کا مزہ چکھ لو۔

میں ان تاویلوں سے بے خبر نہیں ہوں، جنھیں مفسرین اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کو فرضیت زکوٰۃ سے پہلے کی قرار دے کر اس کی منسوخیت کا دعویٰ کیا ہے اور بعض لوگ اگرچہ اس آیت کو محکم قرار دیتے ہیں لیکن لَا یُنفِقُونَهَا سے زکوٰۃ مراد لیتے ہیں یعنی جو لوگ ذہب و فضہ کو بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے جمع کرتے ہیں۔ یہ دھمکی ان کے حق میں ہے، وغیرہ وغیرہ

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس آیت کو ظاہری معنی پر محمول کر رہے ہیں، اور جو لوگ اسکی تنسیخ یا تخصیص خبر احاد سے کرتے ہیں۔ ان کو اس سے روک کر یہ دعویٰ کر لیا جائے کہ ذہب و فضہ کی کل دو صورتیں ہیں، یا تو اس کو استعمال میں لاؤ، ورنہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اس کے سوا یہ تیسری صورت کہ گھر میں یوں ہی ڈال دیا جائے، یعنی "کنز" بنا کر سونے یا چاندی کو رکھنا، اس کی اجازت نہیں دیجائیگی۔ تو بتایا جائے کہ اس میں کیا ناموزونیت ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ محض بے سروپا تھا خصوصاً جب اس تفسیر کے بعد نہ نسخ ہی کی

ضرورت ہوتی ہے اور نہ تخصیص النص بالخبر الواحد کی خرابی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے نہ صرف دینی حیثیت سے، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اسلام کے گزشتہ بالا اصول کلیہ کو سامنے رکھ لینے کے بعد معاشی حیثیت سے بھی اس پر نکتہ چینی کی جرأت بمشکل ہی ہو سکتی ہے۔ علی الخصوص جب طبرانی کی اس روایت کو بھی ہم ملا لیتے ہیں تو حضرت ابوذر رضہ کی معذوری اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے

قصہ یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک چھوٹا سا اسلامی مدرسہ صفہ کے نام سے قائم تھا، غریب و محتاج لوگ جو مسلمان ہوتے تھے وہ اسی میں داخل ہو جاتے تھے۔ عام مسلمان ان کی مدد کرتے اور کھانے پینے کا سامان حسب وسعت کر دیا کرتے تھے اتفاق سے اس میں ایک طالب علم کا انتقال ہو گیا، غسل دینے کے لئے جب ان کا کپڑا اتارا گیا تو ان کی لنگی سے ایک اشرفی برآمد ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا ایک داغنے والا آلہ ہے اس کے بعد اور طالب علم کا انتقال ہوا۔ اُن کی بھی جب تلاشی لی گئی تو اشرفیاں برآمد ہوئیں۔ آپ نے ان کو دیکھکر فرمایا یہ داغنے کے دو آلے ہیں یہ صحیح ہے کہ محدثین و شراح حدیث اسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صفہ کے طلبہ عموماً لوگوں پر اپنی مسکنت اور غربت ظاہر کرتے تھے لیکن جب مرنے کے بعد ان کے پاس سے نقد برآمد ہوا تو اس سے ان لوگوں کی ریاکاری

ثابت ہوئی۔ کہ باوجود ثروت کے یہ اصحاب صفہ میں شریک ہوگئے تھے جو محض مسکینوں کی جماعت تھی، خطرہ تھا کہ جب لوگوں کو یہ علم ہوجائیگا کہ صفہ والوں کے پاس روپئے رہتے ہیں تو مستحق طلبہ بھی امداد سے محروم ہوجائیں گے، اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں اس تاویل کو مانتا ہوں، لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ جب حضرت ابوذر کے سامنے اس قسم کے واقعات متواتر پیش ہوئے، اگر اس کے بعد انھوں نے ذہب و فضہ کے متعلق گزشتہ رائے قائم کی تو یہ کوئی مستبعد اور دور از قیاس نہیں ہے گو عامہ ارباب فتاوی و اصحاب علم کی یہ رائے نہو

## حضرت معاویہ رض اور حضرت ابوذر رض کا مباحثہ مسئلہ کنز پر

خلافتِ عثمانی کا زمانہ تھا شام کے ناظم و عامل حضرت معاویہ رض تھے اتفاق سے ان کے عہد میں اس مسئلہ کا بہت چرچا ہوا، عام طور سے اربابِ دول حضرت ابوذر رض سے برہم ہو رہے تھے، مزاج میں آپ کے مجذوبیت بھی تھی۔ ممکن ہے کہ کسی پر کچھ سختی بھی کی ہو۔ اگرچہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں۔ تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے۔ دمشق میں اس مسئلہ کی بدولت ایک ہل چل مچی ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کو سونے اور چاندی سے لاد دیا تھا یقیناً ان کو حضرت ابوذر رض کا یہ فتوی گراں گزرتا ہوگا۔ کیونکہ حضرت ابوذر اولاً اسے کنز کی مد میں داخل

کرکے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوں گے، ورنہ کم از کم زکوٰۃ کی تاکید تو ضرور کی جاتی ہو گی۔ پھر جو لوگ کہ زیوروں پر زکوٰۃ فرض نہیں سمجھتے تھے (جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے، مثلاً ابنِ عمر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کو یہ مسئلہ برا معلوم ہوتا ہوگا۔ اور دوسروں ہی کو کیا خود امیر معاویہ کو وہ کیا بخشتے تھے، لکھا ہے کہ جب دمشق میں امیر معاویہ نے اپنی مشہور سبز کوٹھی یعنی "الخضرا" کی تعمیر شروع کی، تو حضرت ابوذر حاضر ہوئے اور امیر معاویہ کو مخاطب کرکے فرمانے لگے۔ تم جو یہ محل تیار کر رہے ہو تو ظاہر ہے کہ یہ خیانت ہے، اور اگر اپنے ذاتی مال سے بنوا رہے ہو، تو پھر یہ اسراف اور فضول خرچی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رض کے پاس خاموشی کے سوا اس کا کوئی جواب نہ تھا۔[1] یہ بھی لکھا ہے کہ بعض موقعوں پر امیر معاویہ کی زبان سے بیت المال کے خزانے کے متعلق یہ تعبیر نکل گئی کہ یہ تو خدا کا مال ہے۔ حضرت ابوذر کو خبر ہوئی۔ تشریف لائے، امیر معاویہ رض سے پوچھا کہ کیوں جی، تم مسلمانوں کے مال کو خدا کا مال کیوں کہتے ہو؟ امیر معاویہ نے فرمایا۔ ابوذر خدا تم پر رحم کرے۔ بھائی! کیا ہم لوگ اللہ کے عباد اور اس کے بندے نہیں ہیں۔ اور مال جس کے پاس بھی جو کچھ ہے، وہ اللہ کا مال نہیں ہے تو کس کا ہے۔ مگر حضرت ابوذر رض نے یہ سننے کے بعد بھی اظہار کیسا تھ فرمایا۔

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ص ۶ ج ۱۲۵

کہ ایسا نہ کہا کرو (بلکہ مسلمانوں کا مال ہی) اس کو کہو، کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رض نے فرمایا کہ اچھا آئندہ میں اس کو مال المسلمین ہی کہا کروں گا۔[1]

الغرض اس قسم کی باتیں خصوصاً کنز والے مسئلہ نے رفتہ رفتہ اتنی اہمیت حاصل کی کہ حکومتِ دمشق اس سے متاثر ہوئی یعنی حضرت معاویہ رض کو مجبوراً اس میں دخل دینے کی ضرورت ہوئی۔ وہ بھی آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہی تھے خود صاحب الرائے والاجتہاد تھے انھوں نے حضرت ابوذر رض کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا ہے حضرت ابوذر رض نے قرآن کی مندرجہ بالا آیت پڑھ دی، مناظرہ کا سلسلہ جس طرح شروع ہوا۔ اس کے ناقل خود حضرت ابوذر رض ہی ہیں۔

### حضرت معاویہ رض اور حضرت ابوذر رض کا مناظرہ

حضرت معاویہ: آپ نے مطلب غلط سمجھا ہے۔ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے رہبان واحبار کی شان میں نازل ہوئی ہے، مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ؟

حضرت ابوذر! ہرگز نہیں، مسلمانوں کی شان میں ہے طبقات میں یہ مناظرہ صرف اسی قدر منقول ہے لیکن تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (واللہ اعلم) یہ سمجھ رہے تھے کہ اس آیت سے پہلے

---

[1] کامل ابن اثیر ص ۴۳ ج ۳-۱۲

جو آیت ہے یعنی۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ | بہت سے اہل کتاب کے علماء اور صوفیہ لوگوں کے مالوں کو جھوٹے طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے ان کو روکتے ہیں (یعنی قبر پرستی وغیرہ میں لوگوں کو الجھا کر اپنی مٹھیاں گرم کرتے ہیں) |

وہ یقیناً احبار و رہبان نصاریٰ و یہود کے حق میں ہے چونکہ آیت والذین یکنزون الآیۃ اسی رہبان و احبار والی آیت کے بعد ہے یہ صریح بھی قرینہ ہے کہ اس آیت سے بھی مسلمانوں کو کوئی علاقہ نہیں بلکہ جو لوگ یاکلون و یصدون کے قائل ہیں وہی یکنزون کے بھی ہیں۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال مبارک یہ تھا کہ یہ آیت پہلی آیت سے بالکل الگ ہے ورنہ الذین کو مکرر کرنے کی کیا ضرورت تھی جسطرح یصدون کو بغیر (الذین) کے عطف کیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی کیا جاتا یہ دلیل ہے کہ یہ آیت ہر اس شخص کیلئے عام ہے جو سیم و زر کو جمع کرتا ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، میں نہیں کہہ سکتا کہ واقعہ کیا ہے جس آیت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو اختلاف ہو، بے ادبی ہوگی اگر ہم جیسے کندۂ ناتراش ان میں فیصلہ کرنے کی جرأت کریں۔ یہ ایک ذوقی چیز ہے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ پلہ کس کا جھکا ہوا ہے۔

الغرض مناظرہ ہوتا رہا اور شاید ہفتوں ہوتا رہا۔ لیکن دونوں ایک ہی اکھاڑہ کے پہلوان تھے ایک نے دوسرے کی بالکل نہیں سنی اپنی اپنی رایوں پر ہر شخص قائم رہا اور اس کا دونوں مجتہدوں کو اختیار تھا۔

کامل ابن اثیر میں قرآنی آیت کے ذکر کے بعد ایک دلچسپ آزمائشی لطیفہ بھی نقل کیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جب باتوں سے کام نہ چلا تو امیر معاویہ رضؓ نے کسی کو ایک ہزار اشرفیاں دیکر رات کو حضرت ابوذر رضؓ کے پاس بھیجا، اشرفیوں کو لے کر حضرت ابوذر نے صبح ہونے سے پہلے ارباب استحقاق میں ان کو تقسیم کر دیا۔ امیر معاویہ رضؓ نے صبح کی نماز کے بعد اسی شخص کو بلایا جو اشرفیاں لے کر حضرت ابوذر کے پاس گیا تھا۔ اور اس سے کہا کہ تم ابوذر کے پاس جاؤ! اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہنا کہ مجھے مصیبت سے نجات دلائیے۔ بڑی سخت غلطی مجھ سے ہو گئی، امیر معاویہ نے دوسرے آدمی کے پاس یہ اشرفیاں بھیجی تھیں غلطی سے میں نے آپ کو پہنچا دیں۔ آدمی نے یہی کیا۔ حضرت ابوذر نے فرمایا، کہ بیٹے! معاویہ سے کہنا کہ تمہاری اشرفیاں تو صبح ہونے سے پہلے خرچ ہو گئیں۔ البتہ تین دن کی مہلت دیں تو میں بندوبست کر سکتا ہوں، آدمی نے یہی جا کر ان کو سنا دیا۔ امیر معاویہ نے فرمایا کہ بیشک ابوذر جو کچھ کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں (صہ ۲۴ ج ۳) گویا اس طریقہ سے امیر معاویہ رضؓ نے امتحان لینا چاہا تھا کہ یہ وعظ و نصیحت صرف دوسروں تک ہے یا خود

بھی اس پر عامل ہیں؟ ظاہر ہے کہ امتحان میں ابوذر اگر کامیاب نہ ہوتے تو اور کون ہوتا؟

## حضرت ابوذرؓ کو سمجھانے کے لئے چند صحابہ بھیجے جاتے ہیں!

تھک کر معاویہؓ نے چند جلیل القدر صحابیوں کو دعوت دی جن میں ذیل کے حضرات تھے

حضرت ابودرداءؓ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبادہ بن صامت حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب کو بلا کر آپ نے فرمایا۔

کہ جس طرح ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں آپ لوگ بھی رہے ہیں، جس طرح ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اور ان کے دیکھنے والے ہیں یہی شرف و عزت آپ لوگوں کو بھی حاصل ہے۔ پس کیا آپ لوگ جا کر انھیں سمجھا سکتے ہو؟ (ہماری تو وہ نہیں سُنتے) سبھوں نے آپ کی درخواست قبول کی اور ایک متفقہ وفد کی صورت میں یہ لوگ حضرت ابوذرؓ کے گھر پہنچے سبھوں نے اپنے اپنے علم و عقل کے اعتبار سے آپ کی فہمائش کی، کاش مورخین ان بیانوں کو نقل کرتے تو دلچسپ چیز ہوتی مگر اس وقت تک کسی کتاب میں مجھے اس کی تفصیل نہ ملی۔

حضرت ابوذرؓ نے جب سب کی گفتگو سُن لی تو سب سے پہلے حضرت

عبادہؓ [1] کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے

"اے ابو الولید (حضرت عبادہؓ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ہم سے ہر بات میں مقدم ہیں آپ عمر میں بھی بڑے ہیں، آپ کو ہم پر بزرگی بھی حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بھی آپ نے مجھ سے زیادہ اٹھائی ہے۔

پھر اسی پر تو زیادہ تعجب ہے اور مجھے اس وفد سے زیادہ نفرت ہوئی کہ آپ بھی اس میں شریک ہوئے (یعنی باوجود اس فضل و کمال کے آپ بھی سمجھانے آئے ہیں)"

حضرت عبادہ کو تو صرف اس قدر سمجھا کر چپ ہو گئے۔ اس کے بعد علی الترتیب دوسروں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔

"رہے تم جی ابو درداءؓ [2] تو وہ وقت قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے تمہیں ایمان

---

[1] حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظمہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ اولیٰ میں بیعت ہوئے اور منجملہ نقباء کے ایک نقیب اپنے قبیلہ کے یہ بھی تھے۔ دوسرے عقبہ اور تیسرے عقبہ سب میں مکہ آئے اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہے حضرت عمرؓ نے آپکو شام میں معلم اور قاضی بنا کر بھیجا حضرت معاویہؓ سے آپکا بھی اختلاف ہو گیا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے پھر آپکو واپس بھیجا اور کہا کہ معاویہ تم پر امیر نہیں ہیں سنہ ۳۴ھ میں آپکا انتقال ہوا۔ ۱۲۔ استیعاب۔ [2] آپکا نام عویمر تھا اپنے گھر میں سب سے اخیر میں مسلمان ہوئے (باقی صفحہ آئندہ)

لانے کا موقع نہ ملتا مگر خیر تم ایمان لائے اور اس کے بعد
سچے اور صلحائے مسلمین میں سے ہوئے (یعنی تمہاری صحبت
تو مختصر ہے۔ تم ہماری باتوں پر کیا نکتہ چینی کر سکتے ہو، منشاء
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر ہم سمجھتے ہیں یقیناً
وہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی۔) اور عمروؓ بن العاص
رہے تم تو خود بتاؤ کہ جہاد کے علاوہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ اور کیا کیا ہے (یعنی فضیلتِ صحبت ضرور
حاصل ہے، خصوصاً جہاد کی صحبت لیکن مسائلِ شرعیہ کے
سمجھنے کے لئے صرف اتنی صحبت کافی نہیں ہو سکتی ہے میں
تو سالہا سال حضور کی خدمت میں سفراً و حضراً آ رہا ہوں اور
تم صرف جہاد میں، پس تم کو بھی مجھ پر اعتراض کا حق نہیں)
اور ان بیچاری ام حرام[2] کو کیا کہوں، ایک عورت ہیں۔ پھر ان

---

(بقیہ گزشتہ) آپ کا نام حکیم الامۃ تھا جلیل القدر لوگوں میں تھے، جس وقت آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت ابوذر مدینہ
چھوڑ کر ربذہ چلے گئے تو فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون اگر ابوذرؓ میری بوٹی بھی اڑا دیتا تو میں ان کی خدمت نہ کرتا
۳۲ھ میں آپ نے انتقال فرمایا (استیعاب) [1] آپ ۸ھ میں اسلام لائے اسی سن میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے غزوہ ذات سلاسل پر بھیج دیا اور اس کے بعد عموماً لڑائیوں پر رہے، سکندریہ کے فاتح آپ ہی
ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان جو مغالطہ ہوا اس میں آپ شریک تھے اور

کی عقل بھی ایک عورت ہی کی عقل ہو گی"

اور اخیر میں آپ نے ایک جملہ فرمایا جس کا مطلب ہمارے نزدیک یہی ہے

"کہ بس جو تم لوگوں کا حال ہے، ان کا (یعنی حضرت معاویہؓ)

بھی اسی کے قریب ہے"

اس مفصل اور جلالی تقریر کو سن کر حضرت عبادہ دم بخود ہو گئے

اور یہ کہتے ہوئے واپس تشریف لے گئے۔

| | |
|---|---|
| لا جرم ما جلست مثل هٰذا المجلس ابداً[1] | یقیناً میں ایسی مجلس میں کبھی نہیں بیٹھا (جہاں ایسی کھری سنائی جاتی ہو) |

الغرض یہ لوگ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس تشریف لے گئے

حضرت معاویہ کو جا کر کہہ دیا ہو گا کہ ان سے ہم لوگ باتیں نہیں کر سکتے۔

| | |
|---|---|
| **آپ کے تبحر علمی پر ایک نظر** | یہ ایک بڑی سخت نادانی ہے کہ صحابہ میں |

(بقیہ گزشتہ) یہ مشہور ہے ۵۵ھ میں انتقال ہوا انتقال کے وقت آپ کا جملہ یہ تھا کہ مجھ پر تین زمانے گزرے ہیں کفر کا اور اسلام کا اور اخیر میں بادشاہوں کی صحبت میں مبتلا ہوا۔ اب نہیں معلوم کہ یہ باتیں مجھے فائدہ پہنچاتی ہیں یا نقصان"

[2] حضرت انسؓ کی خالہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت مانتے تھے حضرت عبادہؓ کی بیوی ہیں ایک جہاد میں سواری سے گر کر شہید ہو گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشارت بھی بحری جہاد کی دی تھی جس میں شہید ہوئیں۔

[1] مسند احمد مسانید ابی ذر ۱۲

میں جو باتیں کرتے ہیں لوگ ان کو اپنی نسبت سے خیال کر کے شکوک و وساوس
میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ صحابہ آپس میں ایک دوسرے کیساتھ معاصر
تھے برابری کے مدعی تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو جو کچھ کہتے تھے ان کو
اس کا حق حاصل تھا لیکن ان کے باہمی مکالموں سے یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ ہم بھی
پھر صحابہ کی شان میں وہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں، نہ صرف خردماغی بلکہ
محمدٌ رَّسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور آپ کی مجلس کی توہین کرنی
ہے۔ ہمارے لئے ہر ایک صحابی بزرگ اور ہر ایک ان میں تمام امت کا رہنما
اور پیشوا ہے۔ بایھم اقتدیتم اھتدیتم کے الفاظ ایمان و اسلام کے
نگینوں کے نقوش ہیں اور ہر مسلمان کو اپنے مومن دل پر اس کو کندہ کر لینا چاہیے
ہاں یہ الگ بات ہے کہ کسی صحابی نے اگر دوسرے کو کچھ کہا تو اسکی
تحقیق میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انھوں نے کہاں تک درست فرمایا اگر پتہ
چل جائے تو فبہا ورنہ اپنے علم کو متہم کرنا چاہیئے سمجھنا چاہیئے کہ انھوں نے
توسع فرمایا ہوگا لیکن ہم اسے سمجھ نہیں سکے یا واقعات کے نہ معلوم ہونے
سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ نہ سکے الی غیر ذالک

بہرحال چوں کہ حضرت ابوذرؓ کا اس مکالمہ میں فضیلت علمی کا ادعا پایا جاتا
ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ مختصر لفظوں میں اس پر بھی کچھ روشنی ڈالدی جائے۔
حیدر کرار اقضی الصحابۃ و باب العلم کی اس شہادت کو پڑھو! اور خود غور کرو کہ

کہ اگر انھوں نے ایسا فرمایا تو کیا غلط فرمایا۔ فرماتے ہیں۔

"ابو ذر سخت حریص اور لالچی تھے، لالچی دین کی پیروی کرنے میں اور اس کی باتوں پر عمل کرنے میں اور حریص علم کے حاصل کرنے میں تھے، بہت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے پھر انھیں کبھی جواب دیا گیا ہے اور کبھی نہیں لیکن اس پر بھی"

قد ملئ لہ فی وعائہ حتی امتلأ | ان کیلئے ان کا پیمانہ بھر دیا گیا حتی کہ وہ بھر گیا ہو گیا۔

کیا علم کے دروازہ کی یہ گواہی ابوذر رض کے دعوی کی یہ دلیل نہیں، خود حضرت ابوذر کبھی جوش میں آکر فرمادیا کرتے تھے کہ

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسوقت بچھڑے ہیں کہ فضاءِ آسمانی میں بازو ہلا کر اُڑنے والا کوئی ایسا پرندہ نہیں رہ گیا تھا کہ ہمیں اس کے متعلق کوئی خاص بات نہ معلوم ہوئی ہو۔"

اگر حضرت ابو ذر کی صداقت میں کسی کو شبہ نہیں تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی علمی وسعتوں کا کیا حال ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق | اور کون ہے جو ان کی سچائی میں

---

ے طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱ ۱۲

ے مسند احمد ۱۲، صحاح مسانید و طبقات وغیرہ ۱۲۔

کوئی شاخسانہ پیدا کر سکتا ہے جب کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے
ابوذر کی زبان و لہجہ کی صداقت کی خود تصدیق فرمائی صحیح حدیث ہے

| | |
|---|---|
| ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر۔ | کسی زبان والے پر آسمان نے اپنا سایہ نہیں ڈالا۔ اور نہ زمین نے اس کا بوجھ اٹھایا۔ جو ابوذر سے بھی زیادہ سچا ہو |

کسی تصدیق و تزکیہ کے لئے اس سے زیادہ وزن دار، زیادہ روشن
تاباں الفاظ اور بھی مل سکتے ہیں؟ اور کیا اس حدیث کو پیش نظر رکھنے کے
بعد اگر ابوذر کے دعوے کو نبوی دعوی یعنی مرفوع حدیث کا حکم دیدیا جائے
تو اصولاً کوئی مانع ہو سکتا ہے؟

الغرض مجھے کہنا یہ ہے کہ ابوذر کے علوم و معارف کی فراخ دامانیوں کا جب
یہ حال تھا تو اگر انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وفد کو گزشتہ بالا
باتیں کہہ کر واپس کردیا، تو یہ کوئی اعتراض و طعن کا مقام نہیں ہو سکتا کان لہ قلب

**حضرت معاویہؓ کا تشدد** حضرت معاویہ نے خود سمجھایا، صحابہ کو بھیج کر فہمایش کی کوشش کی، لیکن جب کسی میں کامیابی نہ ہوئی

اور ادھر لوگوں کی شکایتوں سے آپ گھبرا جاتے تھے۔ تقریباً روزمرہ ارباب
ثروت و اصحاب دولت حضرت ابوذر کے خلاف میں عرضیاں پیش کرتے اور درخواست
دیتے کہ غربا عموماً انکی طرف ہو کر ہماری ہجو و توہین کرتے رہتے ہیں جدھر سے مالدار

کا گزر ہو زنا کی (داغ) کی آیت وحدیث ان کے سامنے غرباؔ پڑھ دیتے جس سے خواہ بخواہ ان کی طبیعت منقبض ہو جاتی ہو گی۔

انجامِ کار حضرت معاویہ نے مجبور ہو کر مصالحِ ملکی کو دیکھتے ہوئے منادی کرادی "کہ ابوذر کی مجلس میں کوئی شریک نہ ہو۔ ان کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے"[1]

جس وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ملی کہ مجھ سے مقاطعہ کا حکم دیا گیا ہے تو بجائے بگڑنے اور خفا ہونے کے اس حکم کے آگے آپ نے اسی وقت سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اگر کوئی آپ کے پاس آکر بیٹھتا تو اُسے منع فرماتے اور کہتے کہ "معاویہ کا حکم ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی نہ بیٹھے دیکھو تم اُٹھ جاؤ میں تمہارے لیے کوئی مصیبت تیار کرنی نہیں چاہتا"[2]

ابنِ خلدون کا بیان ہے کہ فتنہ پردازوں کی ایک جماعت اس کے بعد آپ کے پاس آئی جس نے حضرت معاویہؓ کے خلاف اُبھارنا چاہا[3]۔ لیکن چوں کہ آپ کی وجہ سے وہاں کوئی فساد نہ اٹھا۔ اس لیے یقینی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نکال دیا۔

بلکہ البلاذری نے انساب میں تو صراحتہً یہ بیان کیا ہے کہ ان فتنہ پردازوں کو حضرت ابوذر نے یہ فرما کر نکال دیا کہ حکومت وقت کا اقتدار جس کے ہاتھ میں ہے، یعنی مسلمانوں کے سلطان کو جو ذلیل کرے گا، پھر اس کے لیے توبہ

---

لہ طبقات صـ۱۶۲ ۱۲ ۲ہ طبقات صـ۱۱۱ ۱۲ ۳ہ ابنِ خلدون صـ۱۲۷

نہیں ہے" فتنہ پردازوں نے یہ سُن کر اپنی راہ لی۔ البلاذری ص۱۶۵ ج ۵

وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے آپ سے جو گفتگو کی یا کرائی وہ محض ایک صحابی ہونے کی حیثیت سے تھی۔ اس لئے اس کا ماننا آپ کے لئے ضروری نہ تھا۔

اور یہ حکم آپ کا بحیثیت نائب الخلیفہ امیر الملک ہونے کے تھا۔ جس کی مخالفت حضرت ابوذرؓ سے ناممکن تھی۔ حضرت معاویہؓ تو ایک قرشی نژاد جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی، جسے اکثر خود بھی فرمایا کرتے تھے۔

"کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے کہ اگر کوئی حبشی گوش بریدہ غلام بھی تم پر امیر بنایا جائے، تو اس کی اطاعت کرنا، اور اس کے حکموں کو ماننا"

اور جب ایسے غلام کی اطاعت کو پیغمبرؐ نے آپ کے لئے ضروری ٹھہرا دیا تھا تو محال تھا کہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے وہ سرتابی فرماتے۔ اور ان کے خلاف میں کوئی علم بغاوت العیاذ باللہ بلند فرماتے۔

لیکن اس کا علاج نہ تھا کہ دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے آپ ان کو لاکھ منع فرماتے تھے لیکن جو کشش آپ میں تھی وہ ان بیچاروں کو کھینچ کر آپ کے قدموں پر ڈال دیتی تھی۔

اور جب وہ آجاتے تو پھر آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مشغلہ کو زندہ کرتے کیونکہ حضرت معاویہ نے صرف اس بات کی منادی عامۃ المسلمین کے لیے کی تھی کہ وہ ان کے پاس نہ جائیں لیکن خود حضرت ابوذر کو بارگاہ نائب الحکومت سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حدیثیں نہ بیان کریں، یا مسائل و فتاوی کی اشاعت نہ کریں۔ اس لئے جب لوگ آجاتے تو پہلے ان کو اٹھاتے لیکن جب نہیں ٹلتے تو پھر ان کے سامنے کچھ نہ کچھ بیان کرتے تھے۔

**آپ کی تبلیغی الوالعزمیاں** اس وقت تک کثرت سے ایسے واقعات گزر چکے ہیں جس میں آپ کے اس ذوق کی پوری تجلیاں موجود ہیں۔ تاہم اس لئے کہ جب خواہ مخواہ لوگ برہم ہوتے تھے تو آپ نے خاموشی کیوں نہیں اختیار کی؟ ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ایک مستقل لیکن مختصر تبصرہ اور آپ کے خیالات کا ایک عکس پیش کردیں صحاح میں ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"کہ اگر ابوذر کی اس رگ گلو پر تلوار کی دھار بھی رکھدی جائے اور کسی سچی بات کی تبلیغ اس سے رہ گئی ہو تو وہ اسے نافذ کرکے رہے گا"

یہ بھی عموماً آپ بیان کیا کرتے تھے

"کہ میرے دوست (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی ہے کہ میں سچی بات کہوں اگرچہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو"

اِسی طرح آپ کا قول یہ بھی تھا[1]

"کہ ان لوگوں (یعنی خلفاء و امراء) کی اطاعت ہم پر ضرور فرض ہے مگر ان تین باتوں میں یہ مانع نہ ہوں بھلائی اور نیکی کی تعلیم دینے سے۔ برائیوں کے روکنے سے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اشاعت و نشر دل کھول کر کروں"[2]

ظاہر ہے کہ تبلیغ و اشاعت کا جذبہ جس کے سینہ میں اس طرح ہیجان انگیز ہو وہ لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اگر بیقرار نہ ہو تو آخر کیا ہو۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کے مواعظ و تذکیرات کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس باب میں تمام صحابہ سے الگ تھلگ ایک خاص ذوق کے آپ مالک تھے۔ حج کے موسم میں خصوصیت کے ساتھ آپ کا یہ تبلیغی جذبہ خاص طور پر ابھر جاتا۔ جہاں کچھ لوگ نظر آئے اور کھڑے ہو گئے، فرماتے

"لوگو! دوڑو ایک مہربان بہی خواہ بھائی کی طرف میں ہوں جندب غفاری"

کبھی کعبے کی زنجیر تھامے ہوئے تقریر فرماتے۔

بہر حال ممکن تھا کہ حضرت معاویہ خود آپ ہی کو درس وعظ سے روکتے لیکن ان کا دل حضرت ابوذر کی قدر کرتا تھا۔ آپ ان کی عظمت اور جیسی کچھ قدر ان کی کرتے

---

[1، 2] مسند احمد ۱۲

تھے. وہ اس حکم کے نفاذ میں دامن کش ہو جاتا۔ ارادہ بھی کرتے تھے، لیکن مروت و ادب مانع آجاتا۔

## دربارِ خلافت سے طلب تائید

آخر جب خود ان سے کچھ نہ ہو سکا، تو مجبور ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں انھوں نے چٹھی لکھی۔ دمشق کے لوگوں کی برہمی اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ وغیرہ کا قصہ انھیں لکھ بھیجا اور اخیر میں لکھا۔

"کہ ابوذر کی وجہ سے یہاں بہت فساد برپا ہو رہا ہے آپ انھیں مدینہ منورہ بلوالیں[1]"

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجبوریوں کو دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خیال کیا کہ انھیں شام سے بلوالیا جائے۔ اور ایک خاص آدمی اس کام کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ حضرت ابوذر رض کے نام بھی یہ فرمان تھا کہ "تم ابھی مدینہ چلے جاؤ[2]"

## دمشق سے روانگی

جس وقت حضرت ابوذر رض کو یہ فرمان ملا، بلا کسی چون وچرا و لاؤ نعم کے اسی وقت تن تنہا اس شخص کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے، جو آپ کو مدینہ سے لینے آیا تھا۔ حتی کہ بال بچوں کے لیجانے کا سامان بھی عجلت میں آپ نہ کر سکے۔ بعد کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] و [2] طبقات ص ۱۶۶ ج ۴ - ۱۲

نے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی مدینہ روانہ کردیا[1] جب آپ کے اہل وعیال مدینہ آئے تو سامانوں میں ایک کیسہ برآمد ہوا جسمیں پیسے بھرے ہوئے تھے۔ مدینہ میں یہ خبر مشہور تھی کہ آپ مال جمع کرنے کے مخالف ہیں اس لئے لوگوں کو تعجب ہوا مگر جو تفتیش میں نے آپ کے مذہب کی کی ہے اس کے بعد اعتراض کب باقی رہتا ہے

**مدینہ کا داخلہ**

خود آپ ہی کا بیان ہے کہ جس وقت میں مدینہ میں داخل ہوا خلق اللہ تھی کہ ٹوٹی پڑتی تھی۔ ہر چہار طرف سے لوگوں نے مجھے گھیر لیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس سے پہلے انھوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا

**مدینہ میں بھی اس مسئلہ کا افشاء اور لوگوں کی برہمی!**

زائرین و مشتاقانِ جمالِ ابوذری کا یہ ہجوم ایک دو دن تک محدود نہ رہا بلکہ روزانہ لوگوں کی ایک بھیڑ آپ کے گرد رہتی تھی جیسا کہ آپ کی عادت تھی یہاں بھی آپ نے وعظ و پند کا دروازہ کھول دیا منجملہ اور باتوں کے آپ اس ضمن میں مسئلہ کنز کو بھی بیان کرتے تھے۔

یہ ایک ایسا دل خراش مسئلہ تھا کہ ناسمجھ دولتمندوں کی پیشانیاں بالآخر یہاں بھی چڑھنے لگیں غربا امیروں پر ٹھٹھے لگانے لگے داغ داغ کی صدا ہر طرف بلند ہونے لگی۔

آہستہ آہستہ یہاں بھی اس مسئلہ نے زور پکڑا۔ مسندِ احمد میں صاف طور سے مذکور ہے۔

---

[1] طبقات ص۱۶۶ ج ۴-۱۲

کہ مدینہ والے آپ سے بگڑ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے آپ سے شکایت شروع کی۔[1]

بہرحال بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست" مخالفین نے یہاں بھی آپ کو ستانا شروع کیا۔ حضرت عثمانؓ کے کان میں کثرت سے یہ آواز پہنچائی گئی کہ

"جس وجہ سے انھیں شام سے بلوایا گیا مدینہ میں بھی آکر انھوں نے وہی سلسلہ چھیڑ دیا ہے۔ ایک فساد برپا ہو رہا ہے[1]"

## دربار خلافت میں کعبؓ احبار سے مناظرہ

حضرت عثمانؓ نے تنگ آکر آخر آپ کو بلوایا دربار میں کعب احبار موجود تھے حضرت عثمانؓ نے اشارہ کیا، ان سے بحث کرو[2] اور سمجھاؤ! کعب احبارؓ آگے بڑھے اور مخاطب کرکے اس طرح تقریر شروع کی۔

"آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذہبوں میں سب سے زیادہ آسان و معتدل شریعت اسلام کی ہے۔ اسلام کا ہر قانون انسانی قوتوں کے موافق اور ان کی فطرتوں کے مطابق ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے۔

---

[1] طبقات ص ۱۶۲ ج ۴-۱۲

[2] البلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ گفتگو کی ابتدا ایک خاص مسئلے سے خود حضرت عثمانؓ نے کی یعنی آپ نے حاضرین مجلس کو خطاب کرکے یہ مسئلہ پوچھا کہ مسلمانوں کے امیر اور امام کے لئے کیا یہ جائز ہوگا کہ بطور قرض کے بیت المال سے رقم لے اور حسب سہولت ادا کرے۔ اس پر کعب احبارؓ نے فتویٰ دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بس اس مقام سے حضرت ابوذرؓ کا رخ کعب احبارؓ کی طرف پھر گیا غالباً اس کے بعد وہ مکالمہ دونوں میں شروع ہوا

کہ موسوی شریعت تمام شریعتوں میں سخت گیر اور کڑی ہے۔ پھر جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی مال جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ جب یہودیوں کو بھی اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا دیں تو اسلام کی معتدل و متوسط شریعت میں یہ سخت قانون کس طرح ہو سکتا ہے؟ کہ جو کچھ ضرورت سے زیادہ بچ جائے اسے خدا کی راہ میں لٹا دیا جائے ورنہ قیامت کے دن وہ انگارے بن کر لپٹیں گے۔"

ایک اور معارضہ بھی کتابوں میں منقول ہے، انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کعب احبار کی منطقی دماغ کا نتیجہ ہے۔ بہر کیف اس کا خلاصہ یہ ہے

"کہ جب ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا کر مرے اور اپنے پاس کچھ اندوختہ نہ چھوڑے تو پھر اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیتیں کیوں نازل فرمائیں۔ جب میت کے لئے کچھ چھوڑ کر مرنا ہی جائز نہیں ہے تو وارثوں پر کیا چیز تقسیم ہوگی؟ الغرض قرآن کی اقتضاء النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری نہیں ہے۔"[1]

ایک تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جذب غالب تھا دوسرے

---

[1] روح المعانی صفحہ ۳۰ ج ۴-۱۲

دونوں بحثیں قریب قریب ان کے مدعا سے محض بے تعلق تھیں، کیونکہ ابھی تم پڑھ آئے ہو کہ مطلقاً مال اندوزی کے وہ مخالف ہی کب تھے۔

اور یہ کل اعتراضات اس پر پڑ سکتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے آخر وسعت و فراخی کا مدار کیا صرف اس پر ہے کہ گھر میں سونا، چاندی ہو۔ زمین، اونٹ، جانور، اموال تجارت وغیرہ سے وسعت و فراخی نہیں حاصل ہوتی، پھر اگر سونے چاندی کے دفینہ بنانے کی ممانعت میں ایسی سختی کیا پیدا ہوتی ہے جس سے اسلام کے اعتدالی مسلک پر حرف آسکتا ہے۔ اسی طرح میراث صرف زر و سیم ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور مالوں میں کیا وراثت جاری نہیں ہوتی؟

حضرت ابوذرؓ کا اصرار جو کچھ بھی تھا وہ محض چاندی سونے کی حد تک محدود تھا، اور اس کا منشا بھی وہی تھا۔ کہ یہ دونوں چیزیں بیکار رکھ چھوڑنے کی نہیں ہیں۔ اور اس میں ایسی کونسی بات ہے جسے ہم فطرت اسلامی پر ظلم قرار دے سکتے ہیں۔

بہرحال میں بتا چکا ہوں، کہ حضرت ابوذر تدین و تمدن دونوں اعتبار سے کنز کو غیر مفید سمجھتے تھے اور اس پر آیت قرآنیہ احادیث نبویہ نیز اصول اسلامیہ سے روشنی ڈالتے تھے۔ لیکن کعب احبار نے مسئلہ کی لم کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منشاء کے موافق نہ سمجھ کر اور یہ خیال کر کے وہ مطلقاً مال جمع کرنے کو حرام کہتے ہیں، اعتراضات کر دئے، اور اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ بیچارے صحابی بھی نہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے اور اعتراض بھی

کیا تو اس شخص پر جس پر عام صحابیوں کو بھی نکتہ چینی اور اعتراض کی ہمت مشکل ہی سے ہوتی ہے۔

الغرض مجموعی طور سے یہاں پر کچھ ایسی باتیں جمع ہو گئیں کہ حضرت ابوذر رض کا غصہ تھم نہ سکا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی پر ناسمجھی کے ساتھ اعتراض کرتا ہے، اور پھر بطور پوچھنے کے نہیں بلکہ الزام دینے کے لیے، تو یقیناً آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے خصوصاً جب اس میں مجذوبیت کی بھی کچھ لٹک پائی جاتی ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جواب[1] وغیرہ تو کیا دیتے وہیں بھرے دربار میں حضرت

---

[1] دربار عثمانی میں جو گفتگو ہوئی بعضوں نے تو اس کی وہی تفصیل بیان کی ہے جسے اصل کتاب میں درج کیا ہے۔ لیکن کامل ابن اثیر وغیرہ میں اسی گفتگو کو جس انداز سے نقل کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رض نے شام سے واپس بلانے کے بعد حضرت ابوذر سے فرمایا کہ شام کے لوگ تمہاری زبان کی تندی و تیزی کے شاکی ہیں، اس کے بعد بطور فہمائش کے حضرت عثمان رض نے کہا کہ ابوذر! ہم پر ذمہ داری جو کچھ عائد کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جو باتیں ہم پر واجب ہیں انہیں ادا کریں اور رعیت کو بھی کدوکاوش اور اعمال میں اعتدال و اقتصاد کی دعوت دیں لیکن ہم پر یہ تو واجب نہیں ہے کہ لوگوں کو ترک دنیا اور زہد پر مجبور کریں۔ یہ سن کر بجائے جواب دینے کے حضرت ابوذر نے زور زور سے کہنا شروع کیا "ہرگز ہرگز امیروں سے راضی نہ ہونا چاہیے جب تک کہ نیک کاموں پر وہ اپنی دولت نہ خرچ کریں۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش نہ آئیں بھائیوں کی خبرگیری نہ کریں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں۔"

(باقی صفحہ آئندہ)

ابوذرؓ نے سونٹا اٹھا کر کہا "او یہودی یہ کیا باتیں بنا تا ہے؟"

کعب احبار نے دیکھا کہ معاملہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہی، کہیں حضرت ابوذر سونٹا رسید نہ کردیں۔ بیچارے بھاگ گے۔ حضرت ابوذر کب چھوڑنے والے تھے غصہ بھڑکا ہوا تھا یہ بھی

---

(بقیہ گذشتہ) در اصل یہی جواب تھا جو حضرت عثمانؓ کو وہ دے رہے تھے کہ میں ترک دنیا پر کب لوگوں کو مجبور کرتا ہوں بلکہ امراء سے غرباء کے حقوق مانگتا ہوں۔ لکھا ہے کہ اسی دم پر کعب احبار کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ جس نے فرض ادا کردیا یعنی زکوٰۃ ادا کردی بس اس پر جو بات فرض تھی اس سے وہ سبکدوش ہوگیا۔ اسی نقطۂ نظر کا ابوذر اور دوسروں میں فرق تھا۔ اسی پر ان کو غصہ آگیا اور کعب احبار کی طرف یہ کہتے ہوئے جھپٹے کہ "اے تو کون ہے جو یہاں اور اس مقام پر آکر بول رہا ہے"۔ اسی کے ساتھ ڈنڈا بھی رسید کیا جس سے کعب کا سر کھل گیا۔ صفحہ ۱۴۴ ابن اثیر ج ۳۔

---

سلہ ابوذر کی زبان سے غصہ میں یہ لفظ نکل گیا ہوگا کہ ایک مجذوب آدمی اس میں معذور ہے۔ ابن خلدون میں ہے کہ آپ نے "او یہودیہ کے بیٹے" کہا۔ طبری میں بجائے "عصا" یعنی لاٹھی کے لکھا ہے کہ آپ نے اپنے "محجن" سے کعب پر حملہ کیا۔ محجن بھی ایک قسم کی لاٹھی ہوتی ہے جس کی نوک پر آخر میں انکس کی مانند لوہے کی کوئی چیز لگی رہتی ہے۔

لاٹھی لئے ہوئے ان کے پیچھے روانہ ہوئے وہ بھاگتے جاتے تھے اور یہ کچھ برا بھلا کہتے ہوئے تعاقب کرنے لگے آخر میں تھک کر کعب احبار حضرت عثمان رضؓ کی طرف بڑھے اور اپنے کو ان کی پشت مبارک پر ڈال دیا۔

مگر حضرت ابوذر وہاں بھی پہنچ ہی گئے، کہ گو حضرت عثمان رضؓ کو وہ خلیفہ ضرور سمجھتے تھے لیکن اپنا بھائی اور ساتھی بھی تو خیال کرتے تھے۔ غرض پہنچ کر آپ نے ایک سونٹا چلاہی دیا۔ عام روایت تو یہی ہے کہ وہ مجذوبی لاٹھی کعب ہی پر پڑی لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اچٹ کر حضرت عثمان رضؓ کی پشت پر جا کر ٹھہر گئی[۱]

"ممکن ہے کہ ایسا ہو گیا ہو کہ اس قسم کی دھینگا مشتیوں میں یہ کوئی بعید نہیں ہے"۔

لیکن منقول نہیں کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر اس سے کوئی بل بھی آیا ہو۔ اور کس طرح آسکتا تھا، وہ خلیفہ کیا بلکہ اس

---

[۱] یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ میں نے تفسیر روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۳۰ سے یہاں نقل کیا ہے۔ ابن خلدون نے خدا جانے کہاں سے نقل کیا ہے کہ کعب احبار کے بھی چوٹ آئی اور سر کھل گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زخم کو مانگ لیا یعنی اپنی خاطر سے معاف کرا دیا۔ انساب الاشراف میں البلاذری نے بھی کعب احبار پر حضرت ابوذر کے اس جلالی طرز عمل کا ذکر کیا ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا "او یہودی! کیا ہم لوگوں کو تو ہمارا دین سکھاتا ہے"۔ اگر یہ صحیح ہے تو اسی فقرے میں کعب احبار کے تمام اعتراضوں کا جواب مستور تھا دیکھو البلاذری مطبوعہ یہودی یونیورسٹی فلسطین صفحہ ۱۲۰ ج ۵

زمانہ میں ایشیا اور افریقہ کے سب سے بڑے بادشاہ تھے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتے تھے کہ ابوذر بھی ایک ایسے طائفہ کا سرخیل اور سلطان ہے جس کی گالیوں اور لاٹھیوں پر دنیا کے ہزاروں بادشاہ اپنے زر و جواہر نثار کریں گے اور پھر انہیں حسرت رہ جائے گی کہ حق ادا نہ ہوا۔

غرض یہ مجلس یوں ہی ختم ہو گئی، اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا

## حضرت ابوذر پر حضرت عثمانؓ کی بدگمانی اور اس کی صفائی

اس مجلس سے آپ اس وقت تو اٹھ کر چلے آئے لیکن اس کے بعد ایک سخت حادثہ پیش آیا۔ یعنی جن دنوں حضرت ابوذرؓ شام سے مدینہ آئے اسی زمانہ میں عبداللہ بن سبا[1] یہودی مفسد الامت مسلمانوں کی صورت میں ظاہر ہو کر بغاوت و سازش کی اندرونی تحریکوں میں مصروف ہو چکا تھا بلکہ ابنِ خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب شام ہی میں تھے اسی وقت سے وہ اس فکر میں اسلامی شہروں کی سیر کر رہا تھا۔ اور مختلف صحابہ کو حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں اُبھارنے کی کوشش میں سرگرم تھا۔

---

[1] یہ یمن کا ایک یہودی تھا۔ بالاتفاق مورخینِ اسلام نے لکھا ہے کہ منافقانہ طور پر عہدِ عثمانی میں مسلمان ہو جانے کا دعویٰ کر کے اسلامی ممالک میں اپنی ایک مخفی سوسائٹی کے ساتھ سازشی ایک جال بچھایا۔ الذہبی نے لکھا ہے کہ خود اس کو اور اس کے رفقاء ساتھیوں کو تنگ آ کر حضرت مرتضیٰ علیہ السلام نے آگ میں جلوا دیا۔ دیکھو لسان المیزان صفحہ ۲۸۹ ج ۳۔

اس فتنے کی مفصل کیفیت القاسم میں بعنوان "یہودیوں کی زبردست سازش اسلام میں" کے عنوان سے مدت ہوئی فقیر ہی لکھ چکا ہے۔ اس لئے میں اس کو یہاں پھیلانا نہیں چاہتا۔ تفصیلی طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتنے کا گو علم اس وقت نہ ہوا، لیکن اجمالی طور پر آپ کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہماری طرف سے بددل و بدگمان ہو رہی ہے

اور واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آپ کو یہ علم ہوا تھا یقیناً اسی وقت آپ خلافت سے ہو سکتا تھا کہ دست بردار ہو جاتے لیکن خدا کی مرضی یہ نہ تھی خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس محبوب صحابی اور عزیز داماد کو وصیت کی تھی۔

"اے عثمان شاید خداوند تعالیٰ تم کو کوئی قمیص پہنائیں گے۔ پس اگر منافقین (یعنی عبداللہ بن سبا و اتباعہ) تیرے بدن سے اس قمیص کو اتارنا چاہیں تو دیکھو تم خود اس کو کبھی نہ اتارنا۔ حتی کہ مجھ سے آکر ملو۔"[1]

ظاہر ہے کہ اس قمیص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خلافت تھی۔ اس صورت میں ان کی کیا مجال تھی کہ اس وصیت نبویہ کے بعد بھی آپ عبداللہ بن سبا کی ان ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر فقط اپنی زندگی کو مطمئن بنانے کے لئے سریر خلافت چھوڑ دیتے۔ دیوانے ہیں جو ایسا سمجھتے ہیں۔ آسمان

---

[1] ترمذی ۱۲

زمین پر گر جاتے یا زمین پھٹ کر دنیا کو نگل جاتی، اس وقت بھی عثمان جیسے مطیع و فرماں بردار غلام سے یہ ناممکن تھا کہ اپنے آقا صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی زبان مبارک سے سُنے ہوئے کلمات کی خلاف ورزی کرے۔

یہ ہو نہیں سکتا تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کا یہ عقیدہ جزِ ایمان تھا کہ مضرت وہی مضرت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضرت و نقصان خیال فرمایا۔ اور فائدہ بھی صرف وہی فائدہ ہے جسے حضور نے فائدہ سمجھا ہو۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی امید ہی بوالہوسی ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کی آنکھوں نے آفتابِ رسالت کے سامنے مصالح وقتیہ کی چراغوں کو کبھی نہیں دیکھا اور نہ دیکھنا چاہا۔ ان کی زبان میں جب کبھی جنبش ہوئی تو انھیں لفظوں کے ساتھ ہوئی۔

"کہ مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد لیا ہے اور میں اس پر صبر کے ساتھ قائم ہوں اور رہوں گا"۔ [۱]

اور آخر یہی ہوا کہ صرف اپنے آقا کے پاس عہد میں سمجھ کر اور جان کر ایک جلیل القدر رئیس عرب نے بصد بیکسی قرآن کے اوراق پر اپنے لہو کو بہا دیا۔ اور خوشی سے بہا دیا۔ فرضی اللہ عنہ

رفتیم با غمت دل پر خوں گزاشتیم — جاں را بہ عید گاہ تو در خوں گزاشتیم

---

[۱] ترمذی ۱۲

ہوا و ہوس کے پھندوں میں گرفتار ہونے والوں کا کیا جواب ہے؟ جو عشق و سرمستی کی چاشنیوں سے محض نابلد ہو، وہ کیا جانے کہ کیا کرنا چاہیئے تھا، اور کیا نہیں کرنا چاہیئے تھا، جس نے اپنے ابتدائے اسلام سے ہمیشہ اپنا طغرائے امتیاز ع

اندیشۂ زیاں و غمِ سود شستہ ایم

رکھا ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر اس کے مقابلہ میں نفع و ضرر کی داستانوں کو دہرا کر بیہودہ ہذیانوں سے اپنے اوراق سیاہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟

علاوہ اس کے کون کہتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے استعفاء کے بعد عبداللہ بن سبا کی سازشوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ کیا عبداللہ عثمانؓ کا دشمن تھا جو اس کی امید لگائی جاتی ہے، جس کی بیخ کنی کے وہ درپے تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے بعد بھی باقی رہتا اور رہا۔[1]

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث تھی، دل دکھا ہوا ہے اس لئے قلم رکتا نہیں میرا مقصود یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے کان میں ان خفیہ چہ میگوئیوں کی بھنک پہنچی تو فطرتاً آپ اس کا پتہ لگانے لگے کہ کون کون لوگ اس فتنہ

---

[1] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن سبا کان یہودیا فاظہر الاسلام وطاف بلاد المسلمین لیلفتہم عن طاعۃ الائمۃ ویدخل بینہم الشر ص ۲۹۰ ج ۳ لسان یعنی ابن سبا یہودی تھا بظاہر اسلام اختیار کر کے مسلمانوں کے شہروں میں گھومتا پھرتا تھا تاکہ مسلمانوں کو اپنے امراء کی اطاعت سے برگشتہ کرے اور باہم مسلمانوں میں شر و فساد پھیلا دے ۱۲

میں شریک ہو رہے ہیں۔

میں ابن خلدون کے حوالے سے لکھ چکا ہوں کہ مفسدوں کی ایک جماعت شام میں حضرت ابوذرؓ کے پاس پہنچی تھی۔ اور وہ آمادۂ بغاوت کرنا چاہا[1] تھا۔ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر ہوگئی ہو۔

ادھر مناظرہ کا ایک ناگوار واقعہ اور پھر شام سے ان کو یکایک مدینہ بلوالینا۔ یہ چند باتیں ایسی پیش آگئیں کہ آپ کو حضرت ابوذرؓ سے بھی کچھ بدگمانی ہوگئی۔

ممکن ہے کہ آپ نے اس خطرہ کا تذکرہ کسی کے سامنے کیا ہو بہرکیف کچھ ہو۔ حضرت ابوذرؓ کو کسی طرح سے یہ خبر مل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہماری طرف سے بھی بدگمان ہیں۔

یہ سنتے ہی آپ کو جلال آگیا، اسی وقت آپ اُٹھے اور اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو لے کر سیدھے آستانۂ خلافت کی طرف روانہ ہوگئے آپ پر اس کیفیت کے سننے سے ایک ایسی کیفیت طاری ہوگئی تھی کہ گویا مدہوش ہو رہے تھے، حتیٰ کہ جس دروازے سے مکان

---

[1] البلاذری نے بھی لکھا ہے کہ شام ہی میں فتنہ پردازوں کا یہ گروہ حکومت کے خلاف حضرت ابوذرؓ کو کھڑا کرنے کے لئے آیا تھا

خلافت میں جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی آپ درّہ لئے ہوئے اسی میں گھس گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کو اس طرح آتے ہوئے دیکھا تو یکایک آپ پر خوف طاری ہوا[1]۔ جو خطرہ ابھی تک ظن و گمان کی حد تک محدود تھا اس نے یقین کی شکل اختیار کرلی۔

لیکن فطری وقار و تمکنت نے بظاہر آپ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا، جس طرح جلوس فرما تھے اسی طرح بیٹھے رہے۔

اِتنے میں حضرت ابوذرؓ قریب پہنچ گئے، اور سامنے آکر فرمایا "السّلام علیکم" اور قبل اس کے کچھ مزاج پرسی کریں، گھبرائی ہوئی آواز میں آپ نے کہا۔

| | |
|---|---|
| احسبتنی منهم یا امیر المؤمنین۔ | کیا آپ مجھے بھی ان لوگوں میں گمان کرتے ہیں (یعنی مفسدوں میں) اے مسلمانوں کے امیر! |

اور اس کے بعد اس زبان نے جس سے زیادہ سچی زبان آسمانوں اور زمین کے درمیان اور کوئی نہ تھی۔ اس طرح اپنی برائت شروع کی

---

[1] طبقات ۱۲۔

"قسم خدا کی نہ میں ان لوگوں میں ہوں، اور نہ ان کو جانتا ہوں کہ یہ کون لوگ ہیں، ان کی علامت تو گھٹے ہوئے سر ہیں" وہ دین سے اس طرح دور ہوں گے جس طرح شکار کو تیر توڑ کر نکالا جاتا ہے۔[1]

ابوذر رض کی برأت کے لئے یہ الفاظ خصوصاً جب وہ قسم کے ساتھ ہوں بہت کافی تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو عظمت وہ قعت آپ کے دل میں تھی اس نے بس کرنے نہ دیا، آپ کو فکر اور سخت فکر دامن گیر ہوئی تھی کہ حضرت عثمان رض کے دل سے یہ خیال کسی طرح مٹ جائے۔

اس وقت کی بے چینی ٹھیک اس بے چینی کے مشابہ تھی کہ کسی کا محبوب کسی سے بدگمان ہو گیا ہو، اور شیدائے جانباز سر پہ پاؤں رکھ کر ہر ایک ممکن العمل ذرائع سے اس کی تشفی کرنا چاہتا ہو۔ آبگینہ دل احباب کی نزاکتوں کا خیال کر کے مکرر الحاحوں، اور التجاؤں سے اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

---

[1] چوں کہ تفصیلی طور پر آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ صرف شام میں ایک دفعہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تھے اور وہ بھی خدا جانے صحیح ہے یا نہیں۔ بہر حال آپ کا علم اس فتنہ کے متعلق صرف اسی قدر تھا جس قدر حضرت عثمان کو کہ کچھ لوگ آمادہ فساد ہیں، اور اس علم کو علم نہیں کہہ سکتے۔ (ماخوذ از طبقات و فتح)

حضرت عثمانؓ بیٹھے ہوئے ہیں اور ابوذر کھڑے ہو کر ارشاد فرما رہے ہیں

"آپ اگر مجھے حکم دیں کہ پالانوں کی لکڑیوں میں لٹک جاؤں تو میں سچ کہتا ہوں کہ اسی وقت لٹک جاؤں گا اور لٹکا رہوں گا جب تک کہ آپ ہی اس کے چھوڑنے کا حکم نہ دیں"[1] (یعنی باوجودیکہ یہ ایک لغو کام ہوگا۔ لیکن آپ کی خاطر و اطاعت مجھے اس درجہ منظور رہے کہ نفع و ضرر کا خیال دماغ میں آہی نہیں سکتا) اسیطرح اگر آپ فرمائیں کہ کھڑا ہو جا! تو میں کبھی نہیں بیٹھوں گا۔ جب تک آپ ہی حکم نہ دیں۔ (فتح الباری)

مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمانؓ اُٹھے اور ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ ولنعم ما قیل ؎

ملتے ہی آنکھ رنج نہ تھا رشکِ غیر کا    کیا جانے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

طبقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دیر تک دونوں میں کچھ سرگوشیاں بھی ہوتی رہیں، حتیٰ کہ کبھی کبھی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی[2]

---

[1] یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے ملتے ہیں ۱۲

[2] طبقات ابن سعد ص ۱۶۷ ج ۔ ۱۲ ۔

آخر جب یہ مجلس راز و نیاز ختم ہوگئی اور خدا جانے کن باتوں پر ہوئی، کہ ادھر حضرت عثمانؓ کا سینہ بھی اسرار نبویہ کا گنجینہ تھا۔ ادھر حضرت ابوذرؓ ہمیشہ پوچھنے والوں سے فرمادیا کرتے تھے کہ کیا پوچھنا چاہتے ہو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار دریافت کرنا چاہتے ہو، تو میں کبھی نہیں بتا سکتا ہے[1]

جہاں دونوں طرف یہ حال ہو وہاں ماوشما کی رسائی اور وہ بھی سرگوشیوں کے موقع پر جو کچھ ہو سکتی ہے، وہ معلوم، ہاں! طبقات ہی سے اس قدر اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابوذرؓ اٹھے تو باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور مسکراتے ہوئے باہر نکلے۔ لوگوں نے پوچھا بھی کہ "امیر المؤمنین اور آپ سے کیا باتیں ہوئیں؟ لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف اس قدر فرماتے ہوئے روانہ ہوگئے

"کہ سننے والا فرماں بردار ہوں، اگر مجھے وہ حکم دیں گے کہ تم عدن یا صنعاء چلے جاؤ، اور مجھ میں طاقت چلنے کی باقی رہی گی تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا"[2]

**مدینہ سے کوچ** اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کو بھی چھوڑ دیا لیکن کیوں چھوڑا۔ عام مورخین تو لکھتے ہیں۔ کہ

---

[1] مسند احمد ۱۲ ۔ [2] طبقات ابن سعد

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جلاوطن کردیا تھا۔ مگر اس باب میں سب سے زیادہ موثق کتاب طبقات ابن سعد ہے علاوہ بہت سی خصوصیتوں کے سب سے بڑی خصوصیت اس میں یہ ہے کہ طبقات صحابہ میں سب سے پہلی اور قدیم کتاب ہے۔ بعد والوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے عموماً اسی کے رہینِ منت ہیں اس لیے میں اس وقت جو کچھ لکھوں گا اسی سے لکھوں گا۔

طبقات میں مختلف روایتیں ہیں۔ لیکن یہ کسی میں نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ابوذر کو جلاوطن کردیا تھا۔ حالانکہ یہ ایک اہم واقعہ ہے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ابن سعد کو اس کی خبر کیوں نہیں ہوئی اور متاخرین اس سے کہاں سے مطلع ہوئے۔ لیکن تھانہ والے چوروں کو پہچان لیتے ہیں جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ روایت اسلامی تاریخوں میں کہاں سے داخل ہوئی اور کس غرض سے داخل ہوئی۔ آہ! کہ عبداللہ بن سبا مسلمانوں کے راستوں پر نہایت احتیاط سے بیٹھا اور اس نے وہ کام کئے جو اس کے نجدی شیخ کو بھی نہ سوجھی

| | |
|---|---|
| مثل ھذا یذوب القلب | اسی قسم کے واقعات سے بوجہ لندہ نہانی |
| من کمد اِن کان فی القلب | کے قلوب پگھل جاتے ہیں اگر ان میں اسلام |
| ایمان و اسلام | اور ایمان کا ذرا سا بھی شائبہ ہو |

بہرکیف ابن سعد نیز امام بخاری کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مدینہ منورہ میں لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ ہونے لگا۔ حتیٰ کہ آپ کے مشاغل میں حرج واقع ہونے لگا۔ آخر اس کا تذکرہ حضرت عثمانؓ سے کیا اور خواہش ظاہر کی کہ میں مدینہ سے چلا جانا چاہتا ہوں اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ کہ

"تم ہمارے پاس چلے آؤ (یعنی جب ہمارے پاس رہو گے تو لوگ خواہ مخواہ تنگ نہیں کریں گے) شیردار اونٹنیاں صبح و شام آپ کے پاس آیا کریں گی۔[1]

لیکن آپ کا اصرار بڑھتا رہا، فرمایا، کہ مجھ کو دنیا کی ضرورت نہیں (یعنی اونٹوں کی ضرورت نہیں ہے) مجھے اجازت ہی دے دیں، اور وجہ بھی ظاہر تھی کہ آخر مسجد نبوی میں نماز کے لئے تو ضرور جاتے، مدینہ اس زمانہ میں دارالخلافۃ الکبریٰ تھا۔ لاکھوں آدمیوں کا اجتماع رہتا تھا جس وقت ابوذرؓ نکلتے خواہ مخواہ لوگ پیچھے پڑ جاتے جیسا کہ دنیا کی اسوقت بھی یہی عادت ہے کہ اس قسم کے بزرگوں کے پیچھے عوام بے تحاشا دوڑتے پھرتے ہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مدینہ کی آبادی شام تک پھیل گئی ہے۔ اور اس حالت میں مجھے یہاں رہنے کا حکم نہیں۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ۱۲ [2] (دیکھو صفحہ آئندہ)

آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر فرمایا کہ۔

| | |
|---|---|
| اِن شئتَ تنحیت فکنتَ قریبًا۔ | اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر (مدینہ) کے کسی ناحیہ میں چلے جاؤ، تاکہ قریب رہو۔ |

اس پر آپ نے فرمایا، کہ

| | |
|---|---|
| اُندب لی اَن اخرجُ الی الربذہ | آپ اجازت دیجئے، تاکہ میں ربذہ چلا جاؤں |

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ اچھا آپ وہاں جا سکتے ہیں۔ میں بیت المال سے کچھ اونٹنوں کو دودھ کے لئے آپ کے پاس بھیجدوں گا۔[2]

---

[1] ابن جریر طبری میں آخری وجہ مذکور ہے۔ انساب الاشراف البلاذری میں گو بعض نہایت مکروہ واقعات نقل کئے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے حیاپرور انسان کی زبان کی طرف ایسی فحش گالیاں منسوب کی گئی ہیں جنھیں آج بھی کوئی شریف آدمی اپنی زبان سے نکال نہیں سکتا۔ لیکن غنیمت ہے کہ اسی کتاب میں مدینہ منورہ کے جلیل تابعی حضرت سعید بن المسیب کا قول بھی اسی میں درج ہو گیا ہے یعنی سعید نے اس کا انکار کیا کہ حضرت ابوذر کا اخراج عمل میں آیا تھا۔ انھوں نے فرمایا اِنّمَا خرج ابوذر الیھا راغبًا فی سکنھا یعنی حضرت ابوذر خود ربذہ میں رہنے کے لئے خود اپنی خواہش سے گئے تھے، ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب سے زیادہ قوی شہادت اور کس کی ہوسکتی ہے ۱۲

[2] ابن سعد ۱۲۔

لیکن حضرت ابوذر رضہ کی غنی طبیعت نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ قریش کے نوجوان جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان کو مخاطب کرکے آپ نے فرمایا

| | |
|---|---|
| دونکم معاشر قریش دنیاکم فاغنموها لاحاجة لنا فیها | قریشیو اپنی دنیا کو تم لو، اور اسے خوب زور سے تھامو۔ ہمیں اس کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں۔ |

یہ فرما کر آپ حضرت عثمان رضہ سے رخصت ہوئے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ زہد عیسوی کا جو کامل نمونہ تھا۔ محمدی مسیحیت کا وہی مظہر اتم اپنی آخری زندگی گزارنے کے لئے اسی صحرا کی طرف روانہ ہوگیا۔ جہاں سے پھر کہیں منتقل نہیں ہوا۔

**ربذہ** ذات عرق سے جو سڑک مکہ معظمہ گئی تھی، ٹھیک اسی کے کنارے ربذہ ایک مختصر سے گاؤں کی صورت میں آباد تھا اور مدینہ منورہ سے کل تین منزل دور تھا۔

اصمعی فرمایا کرتے تھے، کہ لوگ نجد کا تذکرہ کرتے ہیں اس کے عرار و بہار[1] کی روح پرور نسیم پر سر دھنتے ہیں۔ حالانکہ نجد کا سب سے عمدہ قطعہ شرف ہے جسے میں نجد کا جگر سمجھتا ہوں، اسی خطہ شرف میں ربذہ بھی شامل تھا بشرف

[1] عرار و بہار نجد کے دو خوشبودار پھولوں کے نام ہیں۔ عرب کے شعرا اس کے بہت دلدادہ تھے ۱۲۔

میں جو خاص سرکاری رکھت تھی۔ ربذہ اس کے داہنے جانب پر واقع تھا[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی زندگی جس طرز کی ہو گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے مناسب ربذہ سے زیادہ موزوں مقام مدینہ منورہ کے نواح میں بمشکل ہی میسر آسکتا تھا۔ ع

جامۂ بود کہ بر قامت او دوختہ بود

کائنات کے بادشاہ کا روضۂ پاک بھی سامنے تھا، اور جس قسم کے فتن اور مفاسد کا زمانہ آرہا تھا۔ اس سے بھی آپ کو گونہ علیحدگی ہو گئی جس کی وصیت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کی تھی۔ حضرت ابوذر ہی راوی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت۔

| وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ | جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلص نکال دے گا اور اس کو اس جگہ سے رزق دیگا جہاں سے اسکو خیال بھی نہ ہوگا۔ |
| --- | --- |

بار بار تلاوت فرما رہے تھے، حتیٰ کہ اخیر میں آپ پڑھتے پڑھتے تھک گئے گویا آپ پر غنودگی سی طاری ہو گئی، عین اسی حال میں آپ نے اس طرح گفتگو شروع کی۔ ابوذر! اگر تم مدینہ سے نکالے گئے تو کہاں جاؤ گے؟

---

[1] معجم البلدان ۱۲۔

حضرت ابوذر! میں تلاش رزق اور فراخی معاش کے لئے
مکہ کے کبوتروں میں شامل ہو کر

کوئی کبوتر بن جاؤں گا (یعنی مکہ چلا جاؤں گا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہاں سے بھی تم کو نکلنا پڑا، تو
پھر کہاں جاؤگے؟

حضرت ابوذر! شام کی پاک و مبارک سرزمین کی طرف روانہ
ہو جاؤں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہاں سے بھی نکلے۔

حضرت ابوذر! تو پھر تلوار اپنے کاندھے پر اٹھالوں گا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں ایسا نہ کرنا۔ فرماں برداری
اور اطاعت کرنا اگرچہ

کوئی حبشی غلام ہی تم پر حاکم کیوں نہ ہو۔[1]

پس انھوں نے ایسا ہی کیا، فساد و جدال کا زمانہ آنکھیں دکھا رہا
تھا عبداللہ بن سبا جو شعلہ مصر کے آتش دان سے بھڑکا رہا تھا۔ اس کی
گرمی مدینہ منورہ میں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسے وقت میں حضرت ابوذرؓ
نے عزلت گزینی پر اگر عمل کیا تو درحقیقت یہ حضور ہی کے ارشاد کی تعمیل
تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فساد کی خبر دے چکے تھے

---

[1] مسند احمد ۱۲۔

مسندِ احمد میں ہے کہ آپؐ نے حضرت ابوذر کو مخاطب کرکے ایک دن فرمایا :-

اے ابوذر! تو کیا کریگا جب آپس ہی میں ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کردیں گے حتیٰ کہ (اس قدر خون بہایا جائیگا) کہ حجارۃ الزیت (مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے) کی زمین خون میں غرقاب ہوجائیگی، حضرت ابوذر نے کہا کہ اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں کہ مجھے اس وقت کیا کرنا چاہیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر بیٹھ جانا اور دروازہ بھیڑ لینا۔ حضرت ابوذر نے کہا کہ اگر وہ ہمیں نہ چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا تب جن لوگوں سے تم ہو ان کی جماعت میں کر مِل جانا حضرت ابوذر نے کہا تو کیا میں تلوار اٹھالوں گا حضورؐ نے فرمایا اس وقت

یا اباذر اُرأیت ان قتل الناس بعضھم بعضا حتیٰ تغرق حجارۃ الزیت من الدماء کیف تصنع قال اللّٰہ ورسولہ اعلمُ قال اقعد فی بیتكَ واغلق علیك بابك قال فان لم اترك فأت من انت منھم فکن فیھم قال فاخذ سلاحیٔ قال اذًا تشارکھم فیما ھم فیہ ولکن ان خشیت ان یردعك شعاع السیف فانفطرت ردائك

تم بھی فساد میں شریک ہو جاؤ گے (یعنی ایسا نہ کرنا) اور اگر تم کو تلوار کی چمک سے خوف معلوم ہو، تو اپنی چادر کے پلے سے منہ ڈھاک لینا، تاکہ تم پر حملہ کرنے والا تمہارا اور اپنا گناہ لیکر واپس ہو۔

علی وجھك حتی یبوء باثمه واثمك

کس قدر سیاہ اور ناپاک الزام ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ربذہ میں نظربند کر دیا تھا[1]، حالانکہ واقعہ جو کچھ بھی ہے کچھ تو تم سن چکے، اور آئندہ بھی تمہیں معلوم ہوگا۔ خود حضرت ابوذر سے بعض لوگوں نے آکر پوچھا ہے کہ تم ربذہ کس طرح آئے اور کیوں آئے، اس کے جواب میں آپ نے اجمالی طور پر واقعات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے

"کہ میں شام میں تھا، وہاں مجھ میں اور معاویہ میں آیت والذین یکنزون الآیۃ میں اختلاف ہو گیا معاویہ کہتے تھے کہ یہود ونصاریٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور میں کہتا تھا کہ ہماری اور ان کی دونوں کی شان میں ہے۔ اس پر بات بہت بڑھ گئی

---

[1] البلاذری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان سے کسی نے کہا کہ ابوذر کو ربذہ آپ نے جلاوطن فرما دیا سن کر فرمانے لگے۔ سبحان اللہ قطعاً جو باتیں لوگ پھیلا رہے ہیں ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ ہم ابوذر کی بزرگی وفضل کو خوب جانتے ہیں (بقیہ آئندہ)

انھوں نے حضرت عثمان رضؓ کے پاس میری شکایت کردی۔ (حالانکہ حضرت معاویہ کو اخراج کا اختیار خود بھی حاصل تھا۔ مگر یہ فعل محض ادباً تھا) عثمان نے مجھ کو لکھا کہ "مدینہ چلے آؤ" میں مدینہ آگیا۔ یہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم مجھ پر ہونے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انھوں نے اس سے پہلے مجھ کو دیکھا ہی نہ تھا۔ عثمان سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر جی چاہے تو آپ ربذہ چلے جائیں، تاکہ قریب بھی رہیں (یعنی لوگوں کی بھیڑ سے نجات بھی مل جائے اور ہمارے قریب بھی رہیں گے) بس فقط اتنی بات مجھے یہاں لائی ہے[1]"

آپ رضؓ کا یہ بیان اگرچہ بہت مجمل ہے، جس کی تفصیل بھی میں آپ ہی دوسرے بیان سے کرچکا ہوں۔ میری غرض صرف اس قدر ہے کہ آپ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب الزام نہیں لگاتے تھے تو دوسرے

(بقیہ حاشیہ) مسلمان ہونے میں ان کو سبقت کا جو شرف حاصل ہے، اس سے بھی خوب واقف ہوں۔ ہم لوگ (یعنی رسول اللہ کے صحابہ) ابوذر سے زیادہ کسی کو شوکت وعزت میں وزن دار نہیں سمجھتے تھے۔ اصل الفاظ یہ ہیں ما کنا نعد فی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکمل شوکت (منہ البلاذری مشتہم)

[1] طبقات ابن سعد۔۱۲

کو کیا حق ہے۔ کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن امانت پر اس واقعہ کا داغ قائم کریں۔

کس قدر عجیب ہے کہ اگر کسی سیاسی مصلحت سے حضرت عثمان رضہ نے آپ کو مدینہ سے الگ کیا ہوتا۔ تو پھر ربذہ میں کیوں رہنے کا حکم دیتے مدینہ اور ربذہ میں فاصلہ ہی کتنا تھا، علاوہ اس کے ربذہ ایک ایسا مقام تھا۔ جہاں سے ہر سال عراق کے مسافر لاکھوں کی تعداد میں مکہ معظمہ جایا کرتے تھے۔ اور حاجیوں کی گویا وہ فرودگاہ بھی تھی۔ ایسے مخدوش آدمی کو ایسی گزرگاہ پر قید کرنا، کس قدر قرین عقل و دانش ہو سکتا ہے خصوصاً جب ارباب تاریخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ربذہ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد بھی

کان ابوذر یتعاھد المدینۃ مخافۃ ان یعود اعرابیا ص۳۲ ابن اثیر ج۳

(یعنی مدینہ منورہ حضرت ابوذر اس لئے آتے جاتے رہتے تھے کہ کہیں گاؤں میں رہنے سے ان کے اندر دہقانیت اور بداوت نہ پیدا ہو جائے) اور سچ تو یہ ہے کہ شام کی چھاؤنی میں جب وہ تھے اس وقت بھی جب ان سے صبر نہ ہو سکتا تھا بھاگ کر اپنے محبوب رسولِ پاک کے روضہ کی زیارت کو آتے رہتے تھے۔ خلیفہ وقت سے رخصت حاصل کر کے قبہ خضراء کی مجاورت کر کے اپنی مضطرب روح کے سکون کا سامان پیدا فرماتے رہتے تھے تو مدینہ سے اتنی نزدیک جگہ ربذہ میں

رہ گران سے صبر کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ اعرابی اور دہقانی ہو جانے کا اندیشہ یہ بھی ایک مجذوبانہ لطیفہ تھا۔ راہ عشق کی 'رسوائیوں کا وہ بھی ایک نام نہاد پردہ تھا۔ حضرت ابوذر سے بعض کتابوں میں یہ فقرہ جو منقول ہے کہ 'ہجرت کے بعد عثمان نے مجھے پھر اعرابی (دہقانی) بنا دیا۔ یہ بھی ایک جذبی لطیفہ ہی ہے۔ دیکھو البلاذری صفحہ ۵۶ ج ۵

حقیقت یہ ہے کہ 'دجاجلہ و وضاعین الحمدللہ کہ اس قدر غبی اور بد حافظہ ہوتے ہیں کہ باتیں ضرور بناتے ہیں' لیکن اس درجہ خام اور جھوٹ ہوتا ہے کہ چند جرحوں میں ان کی کل دروغ بافیوں کے تار پود بکھر جاتے ہیں[1]۔ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

بہر کیف یہ معاملہ اس درجہ بدیہی اور صاف ہے کہ جو واقعات آئندہ

---

[1] یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابوذرؓ اور حضرت عثمان کی باہمی سوء مزاجی کے قصوں کو بتدریج پچھلی تاریخوں میں بہ نسبت ان کتابوں کے جو عہد صحابہ سے زیادہ قریب ہیں، خوب رنگین کیا گیا ہے الیعقوبی نے تو حضرت ابوذر کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن سے بجائے صحابی ہونے کے معلوم ہوتا ہے کہ مقان فرقوں میں سے ایک خاص فرقے کے عقائد رکھتے تھے جو بعد کو مسلمانوں میں پیدا ہوئے ان واقعات کے پڑھنے میں ہمیشہ یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ کتاب کا مصنف کسی خاص فرقہ کا تو آدمی نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

میں درج کروں گا۔ انشاء اللہ اسی میں ان تمام بہتانوں کی پوری تردید ملے گی۔

بالفعل میں ربذہ کی آبادی وغیرہ اور آپ نے جس طرح اپنی زندگی وہاں گزاری اس کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

**ربذہ کی آبادی**

میں بتا چکا ہوں کہ ربذہ شرف نجد کا ایک پر فضا قطعہ تھا، جہاں سرکاری رکھت بھی تھی، اور یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ، ذات عرق سے جو سڑک مکہ مکرمہ کو جاتی تھی اس کے کنارے وہ واقع تھا۔ مسافروں کی ایک منزل وہاں بھی ہوتی تھی، ان ہی وجوہ کی بنا پر ایک معمولی سی چوکی خلافت کی جانب سے وہاں قائم تھی۔ جو رکھت کی حفاظت اور راہ گیروں کے امن و اماں کی ناظم تھی۔ چوکی پر ایک افسر مقرر تھا اور کچھ اس کے ساتھ عملہ بھی تھا۔ ان ہی سب سے مل ملا کر اس نے ایک گاؤں کی صورت اختیار کر لی تھی۔

حافظ ابن حجر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

---

خصوصاً ایسے فرقوں کا جو اپنے مدعا کے مطابق بات بنا لینے کو ثواب سمجھتے ہیں۔ اسی لئے علامہ ابن جریر طبری اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ یہ نہایت مکروہ باتیں ہیں۔ جن کا ذکر بھی میں پسند نہیں کرتا۔ صفحہ ۶۶ ج ۵۔

کے عہد مبارک میں بھی بیت المال کے اونٹ وغیرہ یہاں رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حضرت ابوذرؓ ریوڑوں کی حفاظت کے لئے یہاں کبھی کبھی آکر سکونت پذیر ہوتے تھے[1]۔ ان کا یہ خیال بھی ہے کہ چوں کہ اس مقام میں حضرت ابوذر پہلے بھی رہ چکے تھے اور یہاں سے مانوس تھے اس لئے بھی آپ نے اور مقاموں سے اسی کو ترجیح دیکر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ میں وہیں جاؤں گا۔ بہر کیف جس زمانہ میں آپ یہاں تشریف لائے، تو وہاں کے افسر نظم ونسق ایک حبشی غلام مجاشع نامی تھے[2]۔ مردوں کی آبادی تقریباً بارہ تھی۔ کچھ عورتیں بھی تھیں جن کی صحیح تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی۔ ان لوگوں کے لئے خلافت کی طرف سے ایک مسجد بھی بنوادی گئی تھی بعضوں نے لکھا ہے کہ مسجد حضرت ابوذرؓ ہی نے وہاں بنوائی تھی[3]۔

**ربذہ کا قیام سامانِ زندگی**

حضرت ابوذرؓ کا سالانہ وظیفہ دربار خلافت سے چار ہزار درہم تقریباً نوسو روپیہ مقرر تھا[4]۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی ارادہ کیا تھا۔ کہ چند

---

[1] فتح الباری ج ۳۔ علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ربذہ ہی بھیجا تھا [2] تاریخ ابن اثیر [3] طبری کامل ابن خلدون سب نے یہی کہا ہے۔ طبری میں ہے "خط بہا مسجداً" یعنی ربذہ میں حضرت ابوذرؓ نے ایک مسجد کی داغ بیل ڈالی اور اسے تعمیر کیا۔ [4] عام کتابوں میں حضرت ابوذر کی عطا

(بقیہ صفحہ آئندہ)

شیر دار اونٹنیوں کو آپ کے لئے خاص کر دیا جائے[۱] لیکن جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو آپ نے لینے سے خود ہی انکار کر دیا۔ پس مستقل آمدنی یا سرمایہ جو کچھ بھی ان کے پاس بچی تھا۔ اس سے آپ نے مختصر سامان خرید اتھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ دو گدھیاں، چند گدھے، چند اونٹ سواری اور پانی لانے کے لئے کچھ بکریاں جن کی تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی، دو غلام، ایک چھوکری طبری میں ہے کہ سرکاری عمال جو ربذہ میں تھے حکومت کی طرف سے روزانہ ان کے لئے چند اونٹ ذبح ہوتے تھے۔ اور حضرت ابوذر کو بھی اس سے ایک حصہ ملتا تھا۔ (ص۶۹ ج ۵)

وہاں بھی مکان حسب دستور آپ نے اینٹ و مٹی کا نہیں بنایا۔ کملوں کا ایک جھونپڑا ڈال لیا تھا۔ قریب ہی میں آپ نے ایک تالاب بنوالیا تھا جس میں برسات کا پانی جمع ہو کر ذخیرہ ہو جاتا تھا۔ آنے جانے والے مسافر

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یعنی تنخواہ کی مقدار بھی بتائی گئی ہے لیکن الذہبی نے اپنی کتاب اول الاسلام میں لکھا ہے کہ سالانہ عطا حضرت ابوذر کی چار ہزار دینار تھے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ مقدار بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے دیکھو مختصر دول الاسلام ذہبی ص۱۷ مطبوعہ دائرۃ المعارف۔ میرے خیال میں الذہبی ہی کا بیان صحیح ہے ۱۲ [۱] لیکن طبری وغیرہ میں ہے کہ اونٹ کا ایک "صرمہ" (گلہ) آپ کے لئے حضرت عثمان نے مخصوص کر دیا تھا اور دو غلام بھی ساتھ کر دئے تھے ۱۲۔

اور ان کی سواری کے جانوروں کا کام بھی اس تالاب کے پانی سے چلتا تھا اور ربذہ میں جس زمین پر آپ کاشت کرتے تھے اس کی سیرابی اور جو نخلستان تھا اس کی بھی سیرابی اسی سے ہوتی تھی۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابوذر کے ساتھ دوسرے مشہور کاشت کار صحابی رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں آ بسے تھے، الطبری نے اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں نے کوئی بات سنی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سُنی تھی، جس کی تشریح پورے طور پر تو ان سے نہیں کی گئی تھی، لیکن دونوں کی سمجھ میں یہی آیا اور ربذہ آنے پر دونوں متفق ہو گئے طبری ص۲۶ میرا خیال ہے کہ کاشتکاری اور باغبانی کے اس ذوق میں جسے ربذہ میں حضرت ابوذرؓ کے اندر ہم پاتے ہیں اس میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خاندانی ذوق کو بھی غالباً دخل تھا۔ کیوں کہ ان ہی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان سے بڑا کاشت کار عہد نبوت میں اور کوئی نہ تھا۔

**اہل وعیال** بہرحال ربذہ میں آپ کے ساتھ ایک تو آپ کی حرم محترمہ اور دوسری آپ کی صاحبزادی صاحبہ تھیں، کیونکہ بچے تو بہت پیدا ہوئے لیکن عموماً کمسنی میں وفات پا گئے۔ حلیہ میں ابونعیم

نے بچوں کے مرنے کے متعلق آپ کا ایک عجیب فقرہ نقل کیا ہے
کسی نے آپ سے پوچھا کہ، ابوذر آپ کے بچے زندہ کیوں نہیں رہتے؟
آپ نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| الحمد للہ الذی یاخذھم فی دار الفنا و یذخرھم فی دار البقا۔ | شکر ہے اللہ کا جس نے ان بچوں کو فانی گھر سے لے لیا اور باقی رہنے والے گھر کے لیے ان کو ذخیرہ بنا دیا۔ |

"شاکر" ہر حال میں شکر کا مقام حاصل کر لیتا ہے، اور صبر تو اپنے تمام ثمرات کے ساتھ وہ اپنی جگہ پر قائم ہی ہے۔ اولاد کے لئے لوگوں نے آپ کو دوسری بیوی کرنے کا بھی مشورہ دیا۔ لیکن راضی نہ ہوئے۔ آخر عمر میں آپ کا خاندان ان ہی دو عورتوں (بیوی اور بیٹی) اور خود آپ کی ذات سے عبارت تھا۔

الغرض ربذہ کی وادی میں ایک سرمست خمخانہ حجاز کا مخمور الست اپنی زندگی انھیں سامانوں پر گزار رہا تھا۔ اور خوش تھا کہ دنیا کے تمام جھگڑوں سے اسے نجات مل گئی تھی۔ شہروں کے شور و غوغا سے الگ ہو کر روحانی مسرتوں کی لذت اندوزیوں میں باطمینان مصروف تھا۔ سطحی نگاہوں میں گو موجودہ حالت مسکنت و افلاس کی تھی، لیکن ژرف نظروں سے پوچھو، ان سے

دریافت کرو، جو کسی کی نرگس مست کی غلامی لکھوا چکے ہوں اور کسی کے بادۂ لعل سے دل وجان کو خراب کر چکے ہوں، کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

غلام نرگس مست تو پادشاہانند | خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

بہرحال ربذہ میں آپ کے پاس جو کچھ تھا، اوروں کے نزدیک وہ کافی ہو یا نہ ہو، لیکن ان کے غنی دل نے ہمیشہ اس کو کافی خیال کیا شام کے گورنر حبیب بن مسلمہ نے ایک دفعہ آپ کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں اور لکھ بھیجا۔

استعن بھا علے حاجتك۔ | اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد لیجئے!

لیکن حضرت ابوذر نے قاصد کو جواب میں کیا کہا؟

"ان اشرفیوں کو تم ان ہی (یعنی حبیب) کے حوالے کر دینا اور کہنا کہ ان کو مجھ سے زیادہ غریب آدمی نہیں ملتا تھا، خدا کے فضل سے میں ایک سائبان رکھتا ہوں جس کے سایہ میں میں آرام کرتا ہوں، بکریوں کے ایک گلے کا بھی مالک ہوں جو دن بھر چر کر شام کو میرے گھر آجاتی ہیں (اور دودھ کی ان کی وجہ سے ریل پیل ہو جاتی ہے) ایک کنیز بھی ہے جو میرے

کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس کے بعد دوراز کار
مال مجھے درکار نہیں ہے[1]۔"

اپنی اس باطنی امارت، اندرونی دولت پر آپ کو اتنا ناز تھا
کہ کبھی کبھی چھلک پڑتے اور فرماتے۔

"بنی امیہ کے امراء مجھے فقر اور افلاس سے ڈراتے ہیں، حالانکہ
فقر تونگری سے مجھے زیادہ محبوب ہے[2]۔"

نہ صرف دعویٰ تھا، بلکہ عمل اس کی تصدیق کرتا تھا۔ آپؓ کی
روش اس کی شہادت دیتی تھی۔

---

[1] حبیب بن مسلمہ صحابی تھے یا تابعی لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی، بہرحال حضرت معاویہ کی ماتحتی اور ان کے اشارے سے رومی علاقوں پر انہوں نے بڑی بڑی کامیاب مہمیں سر کیں۔ رومیوں کے ساتھ اسی جہاد کے شغف کی وجہ سے پیارسے حضرت ابوذر ان کو "حبیب الروم" کہا کرتے تھے (یعنی یورپ والا حبیب) یہی لقب حبیب کا عوام میں مشہور ہو گیا۔ آرمینیہ کی مہم میں وفات پائی اور اسی علاقہ میں مدفون ہیں۔ لکھا ہے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کی دعا کبھی رد نہیں ہوئی (تہذیب التہذیب ج ۲)

[2] حلیۃ الاولیاء، لابی نعیم انساب الاشراف میں بھی اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے ۱۲

## ربذہ کی مہمان نوازیاں

مثلاً مختصر سامانوں کے ساتھ بھی آپ کا حال یہ تھا کہ عموماً آپ مسافروں کو اپنے پاس ٹھیرایا کرتے، اور جس طرح بن پڑتا اپنی وسعت کے موافق خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ ایک جلیل القدر تابعی کا بیان ہے کہ

ربذہ میں حضرت ابوذر کے یہاں بہت سے مہمان اُترے ہوئے تھے رات کا وقت تھا۔ آپ خود اٹھے، اور جس قدر بکریاں تھیں، ایک ایک کر کے آپ نے سب کا دودھ خوب نچوڑ نچوڑ کر نکالا، حتیٰ کہ کوئی تھن باقی نہ رہا۔ اس کے بعد گھر سے جا کر کچھ کھجوریں لے آئے۔ جو کچھ دودھ تھا اس کو اور کھجوروں کو لے کر مہمانوں کے سامنے حاضر ہو گئے۔ اور نہایت دردناک لہجے میں آپ نے ان کو سامنے بڑھا کر فرمایا۔ کاش! اس سے بہتر چیز اگر میرے پاس ہوتی تو میں اسے آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا مہمانوں کی تعداد چوں کہ زیادہ تھی، اس لئے نہ تو دودھ ہی کا ایک قطرہ بچا اور نہ ایک کھجور ہی باقی رہی۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رات میں کوئی چیز اپنی زبان پر نہیں رکھی[1] فرضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صرف یہی نہیں عموماً آپ کی یہی عادت تھی۔ طبقات میں ہے کہ عیسیٰ ابن عمیلہ الفرازی کہتے

---

[1] طبقات ص ۱۷۰ ج ۴ مطبوعہ لندن ۱۲

ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے جس نے ابوذر کو دیکھا تھا بیان کیا کہ

| | |
|---|---|
| یحلب غنیمة له فیبدأ بجیرانه واضیافه قبل نفسه ۱۷۳ | اپنی بکریوں کا دودھ نکالتے اور اپنے نفس سے پہلے اپنے پڑوسیوں اور مہمانوں پر تقسیم کرتے تھے |

اور یہ واقعہ تو گزر ہی چکا کہ مہمانوں کو سیر کرنے کی غرض سے آپ نماز میں مشغول ہو گئے، جب ان کا پیٹ بھر گیا، تب نماز سے فارغ ہو کر اُن کے ساتھ شریک ہوئے، یہ واقعہ بھی ربذہ ہی کا تھا۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کی اُمید

الحاصل ربذہ میں آپ کی زندگی نہایت بشاشت اور مسرت سے گذرتی تھی، کہ جو آپ کی سچی آرزو تھی، وہ یہاں بخوبی پوری ہو رہی تھی وہ فرصت میسر آئی جس کے بعد یکسوئی و یک دلی کے ساتھ ع

بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کئے ہوئے

سے ان کو کون روک سکتا تھا صاحب "حلیہ"

محمد بن واسع سے ناقل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ خاص کر بصرہ سے بقصد ربذہ اس لئے روانہ ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان مشاغل کو آپ کی حرم محترمہ رضی اللہ عنہا

سے دریافت کروں جن میں ربذہ کی زندگی گذری۔ بیوی صاحبہ نے ان کی مصروفیت کا صرف اس قدر جواب دیا۔

کان النہار اجمع یتفکر — دن بھر تصور و تفکر میں گذرتا۔

لیکن توبہ کے ابتدائی ایام میں جو خدا کی مرضی و عدم مرضی کے علم حاصل کرنے سے قبل خود اپنے دل سے رات رات بھر اپنی خود ساختہ نماز پڑھا کرتا ہو اور اتنے انہماک سے پڑھتا ہو کہ آخر میں بیہوش ہو کر گر پڑتا ہو، راتوں کو کیا حال ہوگا، اس کا جب وہ سب کچھ جاننے کے بعد وہاں جانے کے لئے تڑپ رہا تھا، جہاں جانے سے سب ڈرتے ہیں۔ امراء[1] بنی امیہ کے متعلق کبھی یہ بھی فرماتے۔

---

[1] امراء بنی امیہ سے مراد در اصل اس موقع پر وہی طبقہ ہے جس نے حضرت عثمانؓ کی نیکیوں سے ناجائز نفع اٹھا کر خود اپنے آپ کو جو کچھ رسوا کیا ہو کیا ہی مصیبت یہ ہوئی کہ ان کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے ایک خاص طبقہ میں خواہ مخواہ کی بدگمانیاں پیدا ہو گئیں۔ انساب الاشراف میں البلاذری نے لکھا ہے کہ مروان اور حارث بن الحکم بن معاص وغیرہ نے عہد عثمانی میں بڑے بڑے رقوم حاصل کئے۔ گو اس سلطنت گیری کے لحاظ سے وہ چنداں اہمیت نہیں رکھتے تھے بعضوں کو چالیس پچاس ہزار روپیہ مل گئے اور جو اسلامی حقوق زکوٰۃ خیرات کے ان پر عائد

(بقیہ صفحہ آئندہ)

"مجھے قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں، حالانکہ اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔" گویا ع

مجھے ڈراتے ہو موت سے کیا — میں اپنی زندگی ہی سے ڈر چکا ہوں

اور سچ تو یہ ہے کہ جو زندگی سے ڈر گیا، پھر اسے کس چیز سے کوئی کیا ڈرا سکتا ہے؟

پچھلی زندگی آخرت کا خیال ربذہ کے اس عالم خلوت میں آپ پر اس درجہ مسلط تھا کہ آخر میں اس نے جذب کا رنگ اختیار کر لیا تھا شاید اسی جذبی اثر کا نتیجہ تھا، جو ابن سعد نے آپ سے نقل کیا ہے کہ کبھی آپ یہ بھی فرماتے کہ "میری پتلی ہونے والی ہڈیاں اور سپید ہونے والے بال ناامید نہیں کرتے، کہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکوں گا"[1] مطلب یہ تھا کہ گو میرے مرنے کا وقت قریب آ گیا ہے، لیکن میرے خیال میں قیامت اس سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہوتے تھے ان سے لاپروائیاں برتنے لگے تو حضرت ابوبکر "کنز" کے حرافی خمیازوں کی دھمکیاں علانیہ ان لوگوں کو سنانے لگے اسی پر مروان حضرت ابوذر رضی کا سخت مخالف ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان امراء سے یہی لوگ مراد ہیں ۱۲ (دیکھو البلاذری صفحہ ۵۶ ج ۵۔ [1] طبقات صفحہ ۱۷۰ ج ۴۔ ۱۲

جن کے نزول کی خبر قربِ قیامت میں دی گئی ہے، ان سے میری ملاقات ہوجائے۔

الغرض یہاں جو کچھ بھی خیال رہ گیا تھا، وہ آئندہ کا تھا، نہ دنیا والوں سے زیادہ ملاقات ہوتی تھی، نہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ پڑتا تھا، البتہ بعض واقعات ربذہ کے بعد بھی پیش آئے، جن سے ممکن تھا کہ کوئی فساد پیدا ہوجاتا، لیکن آپ نے جس طرح اسے ٹالا، وہ اپنے اندر عجیب وغریب نتائج رکھتے ہیں، خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں کی ناکیں اس سے داغدار اور مجروح اس وقت بھی ہوئی تھیں اور اب بھی مجروح ہیں۔

**پہلا واقعہ اور اطاعت عثمانی کی پہلی نظیر**

میں لکھ چکا ہوں کہ ربذہ کے عامل آپ کے زمانہ میں ایک حبشی غلام (مجاشع) نامی تھے، جس طرح دنیاوی معاملات ان کے سپرد تھے، جمعہ، جماعات[1] کا تعلق بھی ان ہی سے تھا۔ یہ واقعہ گزر چکا ہے

---

[1] جمعہ کی نماز ربذہ میں ہوتی تھی خود حضرت ابوذر بھی پڑھتے تھے کما ذکرہ فی الکبیری، رہی یہ بات کہ وہ گاؤں تھا وہاں کس طرح یہ نماز ہوتی تھی۔ اس کا جواب فقہائے امت کا کام ہے اتنا تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ مرفوع حدیث کا مقابلہ اثر نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے کہ اصول حنفیہ پر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ ربذہ مصر تھا اس لئے کہ کل موضع حل فیہ الامیر فھو مصر، امام محمد کا فتویٰ ہے۔
(بقیہ)

کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں آکر سکونت فرما ہوئے، تو آپ بھی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے، جب جماعت کھڑی ہوگئی تو مجاشع بوجہ اپنے غلام ہونے اور شرف صحابیت سے محروم ہونے کے، آگے بڑھنے سے رُکے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی یہ حالت دیکھکر فرمایا کہ آگے بڑھو! جس طرح پہلے نماز پڑھاتے تھے اب بھی پڑھاؤ! مقصد اقدس یہ تھا کہ اگرچہ تم غلام حبشی ہو، لیکن اولوالامر خلیفہ برحق نے تم کو امیر بنا دیا ہے، تو میں بھی تمہیں امیر سمجھتا ہوں، جیساکہ خود بعد کو آپ نے فرمایا۔

"کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر حبشی غلام بھی مجھ پر امیر بنایا جائے تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کی باتیں سنوں اور اس کی فرماں برداری کروں"[۱]

گویا اس خواب کی تعبیر ربذہ میں آکر پوری ہوئی۔ اور یہ ایک اتفاقی بات تھی، کہ آپ کے ربذہ آنے سے پہلے یہ غلام یہاں کے امیر تھے۔ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے بعد اسے وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔

---

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) اور ظاہر ہے کہ مجاشع یہاں کے امیر تھے،

[۱] طبقات ابن سعد ۱۲۔

## اطاعت کا دوسرا واقعہ

عبداللہ بن سبا کو جب اس کی خبر ملی کہ حضرت معاویہ کی شکایت کی بنا پر خلیفہ اسلام نے حضرت ابوذر کو شام سے مدینہ بلوا لیا اور کعب احبار سے مناظرہ کرایا۔ حتیٰ کہ انہی وجوہ سے اب وہ گاؤں میں جا کر عزلت گزین ہو گئے ہیں۔ اس کے کارندوں نے اور بھی نمک مرچ ملا کر اس واقعہ کو غلط آب و رنگ کے ساتھ اس کے سامنے ظاہر کیا تو اس کو فوراً خیال گزرا کہ ایسی صورت میں حضرت ابوذر کو حضرت عثمان رض سے بدظن کرنا آسان ہے مسئلہ کنز پر نزاع موجود ہے اسی کو کسی عمدہ صورت میں پیش کر کے ان کو مخالفت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

چوں کہ ابوذر کا تقدس و ورع عام طور پر مسلمانوں میں مسلم ہے اور خود ان کے ساتھ ایک بڑا قبیلہ غفار کا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ان کو شریک کار بنا لینے کے بعد ہماری سازش مکمل ہو جائے اور جو آگ ہم نے تیار کی ہے اس کے شعلے ابوذر ہی کے ہاتھ سے اسلامی آبادیوں تک پہنچا دیئے جائیں

الغرض اسی قسم کے بیہودہ خیالوں کو سامنے رکھ کر اس نے ایک وفد تیار کیا۔ بقول[1] ابن خلدون۔ سرخیل وفد خود ہی ہوا کوفہ میں اس مفسد وفد کا نظام مرتب کیا گیا اور یہیں سے تیار ہو کر ان بدباطنوں کی جماعت ربذہ

---

[1] ابن خلدون ج ۲ صہ ۳۹ ۱۲

روانہ ہوئی بطور مہمانوں کے یہ لوگ آپ کے دولت خانہ پر آکر ٹھہرے۔ آخر موقع پاکر ایک شخص نے اس طرح تقریر شروع کی۔

"اے ابوذر! اس شخص (عثمان) نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا کیا (یعنی آپ کے ساتھ اتنی بدسلوکیاں کیں کہ ہم اس کی تفصیل بھی نہیں کرسکتے) پس کیا آپ تیار ہیں کہ اس کے خلاف میں آپ بغاوت کا پھریرا بلند کریں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جتنے آدمیوں کی ضرورت آپ کو ہوگی، اس کا پورا انتظام کیا جائیگا۔ آپ صرف جھنڈا بلند کردیجئے[1]"

طبقات میں ان کی تقریر کا صرف اسی قدر حصہ مذکور ہے، لیکن یہ مفسدین جس درجہ شاطر و عیار تھے، اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ باتیں انھوں نے کہی ہوں گی

بہرحال ان کے کان منتظر تھے کہ امید کی صبح بہائے ابوذر کی جنبش سے عنقریب طلوع ہونے والی ہے مگر یہ ان کی بدعقلی تھی، اُنہوں نے ابوذر کو بھی العیاذ باللہ ان بدحواس باختوں میں شمار کیا تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادتوں پر عبداللہ بن سبا کی افترا پردازیوں کو ترجیح دے کر

---

[1] تمام تفصیل طبقات سے ماخوذ ہے ۱۲

داماد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے رنگین قبا ہوئے، یا جو آج
ان ہی مختلف روایتوں کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر امتِ
اسلامیہ کے سب سے بڑے حیا پرور انسان پر شرمناک حملے کر رہے ہیں
مالھم بہ علم ولا لاٰبائھم کبُرت کلمۃ تخرج
مِن افواھھم اِن یقولون الا کذبا۔ عصر حال کے کج فہموں
کو بھی سننا چاہئے کہ اس نامراد جماعت کو حضرت ابوذر کی جانب سے
کیا جواب ملا؟ آپؓ نے ان کی تقریر سننے کے بعد فرمانا شروع کیا

"مجھ پر یہ بات ہرگز نہ پیش کرو! دیکھو اپنے بادشاہ کو ذلیل و
رسوا نہ کرو! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جس نے اپنے بادشاہ
کو ذلیل و رسوا کیا۔ اس کے لئے توبہ کا دروازہ بھی بند کر دیا
جاتا ہے۔

خدا کی قسم عثمانؓ مجھے اونچی سے اونچی لکڑی یا بلند سے بلند
پہاڑ پر بھی چڑھا کر اگر پھانسی دے دیں گے تو میں اسے مانوں گا
اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دوں گا، صبر کروں گا اور خدا سے
اس صبر پر ثواب کی امید رکھوں گا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر عثمانؓ
ایسا کریں گے تو میں اپنے لئے اسی کو بہتر سمجھوں گا۔ اسی طرح
اگر عثمان آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک مجھے دوڑنے

کا حکم دیں گے، یا جہاں سے آفتاب اگتا اور جہاں جاکر ڈوبتا ہے اس کے درمیان میں مجھے چلنے کا امر کریں گے، تو میں اسے مانوں گا سنوں گا، بجالاؤں گا، اور صبر کروں گا۔ اور اس صبر پر خدا سے ثواب کی امید رکھوں گا۔ اور اپنے حق میں اسی کو بہتر خیال کروں گا۔ اسی طرح اگر وہ مجھے گھر میں رہنے دیں گے (تو ٹھیک جس طرح گزشتہ باتوں میں میرا حال ہوگا) اسی طرح اس حکم کو بھی مانوں گا، سنوں گا، اس وقت بھی ان کا مطیع ہوں، فرماں بردار ہوں۔ اور اسی کو اپنے لئے بہتر سمجھوں گا۔ صبر کروں گا اور خدا سے اجر کی امید رکھوں گا۔"[1]

یہ تقریر جس بلیغ و مؤثر پیرائے میں ابوذرؓ کے اندرونی جذبات کی ترجمانی کر رہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ سرکشوں کے ہوش اُڑ گئے ہوں گے، امید معاونت تو کجا، خود انھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اللہ اکبر! جو شخص اونچی سے اونچی لکڑی کی پھانسی کو، اور گھر میں رہنے کو برابر خیال کرتا ہو، دونوں فرمانوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہو۔ اس کی وفا شعاریوں کی کوئی حد ہوسکتی ہے؟

اس تقریر کے پڑھ لینے کے بعد کون دیوانہ کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۶۷ ج ۴۔ ۱۲

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ خلیفہ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے صاف نہ تھا.

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت ابوذر رضہ کی صفائی میں اب اس سے زیادہ اور کیا چیز پیش کریں۔ کیا لفظوں میں اس سے زیادہ اور بھی کوئی بالغ قوت انسانی ہے جو کسی کی برائت کو اس سے زیادہ صاف نکھرے ہوئے رنگ میں پیش کر سکتی ہو۔ واللہ علیٰ کل شئی قدیر جن کی نگاہیں تنگ اور ظرف چھوٹے ہیں. ان کو ان زور آور لفظوں کی معاونت سے چاہیئے کہ اسے وسیع کریں۔ الحاصل باغیوں نے ربذہ کے درویش کی جس وقت یہ حالت دیکھی ہکا بکا ہو کر رہ گئے اور اسی وقت انھوں نے راہِ گریز اختیار کی

**تیسرا واقعہ** اس واقعہ کو عوف شیبانی سے امام احمد رضہ نقل فرماتے ہیں. عوف کا بیان ہے کہ

ایک شخص تحفے تحائف لے کر حضرت ابوذر رضہ کے پاس ربذہ آیا.

جب وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ بقصد حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے (مسند احمد) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربذہ آنے کے بعد کا ہے لیکن طبری میں ہے کہ یہ واقعہ ۲۹ھ کا ہے۔ جب وقت حضرت ابوذر رضہ ربذہ نہیں آئے تھے! اس شخص نے بھی کعبہ کی طرف اپنے اونٹ کی مہار پھیر لی ان سامانوں کے ساتھ جو ان کے لئے لایا تھا، مکہ معظمہ کی طرف روانہ

ہوگیا۔ آخر منیٰ کے میدان میں حضرت ابوذر رض کی زیارت اسے نصیب ہوئی اور اس وقت سے وہ بھی آپ کا شریک صحبت ہوگیا۔

وہی کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ منیٰ ہی میں تھا، کہ یکایک غل ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں پڑھیں۔ یعنی بجائے قصر کے نمازیں پوری پڑھیں[1]۔

چوں کہ یہ بالکل جدید واقعہ تھا، اس لئے صحابہ میں برہمی پھیل رہی تھی۔ عبداللہ بن مسعود۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک طرف آپس میں مشورے کر رہے تھے، بار بار عبداللہ بن مسعود کی زبان

---

[1] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب چار رکعت پڑھی تو عبدالرحمٰن بن عوف نے اگر پوچھا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا کہ یمن کے کچھ لوگ اور بعض گنوار بدوؤں نے اپنے ملکوں میں جاکر مشہور کردیا ہے کہ نماز مقیم کے لئے بھی دو دو رکعتیں ہی ہیں۔ یعنی دو ظہر کی اور دو عصر کی۔ کیوں کہ امیرالمومنین یوں ہی پڑھتے ہیں۔ یہ ایک سخت غلط فہمی ہے، اس لئے اقامت کی نیت کر کے چار پڑھ لی اور وجہ اس اقامت کی یہ ہے کہ میں نے منیٰ میں نکاح کرلیا ہے اور یہاں سے طائف قریب ہے جہاں میری جائداد بھی ہے اس کی نگرانی کے لئے بھی یہاں اقامت کرلیتا ہوں حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر معارضہ کیا جس کا جواب حضرت عثمان نے دیا کہ "یہ میری رائے ہے" حاصل یہ ہے کہ اقامت کی نیت سے جب آدمی مقیم ہوجاتا ہے تو حضرت عثمان پر اعتراض ہی کیا باقی رہتا ہے

پر یہ فقرہ آتا تھا۔

| | |
|---|---|
| فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان متقبلتان (بخاری) | کاش چار رکعتوں کے ثواب سے مجھے دو ہی رکعتیں جو خدا کے نزدیک مقبول ہیں وہی ملتیں۔ |

لیکن خلیفہ وقت کی اطاعت کو ان کی دقیق روحانی بصیرتیں اس قسم کے مسائل پر ترجیح دے چکی تھیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمن کو جو آخری جواب دیا تھا وہ یہ تھا۔

| | |
|---|---|
| الخلاف شر قد بلغنی انه صلی اربعا فصلیت اصحابی اربعا۔ | خلاف بری بات ہے مجھے خبر ملی کہ حضرت عثمان نے چار رکعتیں پڑھی ہیں اس لئے میں نے بھی چار پڑھیں۔ |

ہمارے مجذوب سرمست درویش کو بھی جب یہ خبر ملی، تو ابتداءً آپ پر غصہ طاری ہو گیا اور سخت غیظ میں آکر جھلا کر فرمانے لگے۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی آپؐ نے ہمیشہ دو رکعتیں پڑھیں (یعنی قصر کیا) پھر ابوبکر رضؓ نے بھی دو ہی پڑھیں، عمر فاروق رضؓ کے وقت بھی یہی ہوتا رہا"

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے کچھ سخت الفاظ بھی استعمال فرمائے

---

[1] طبرانی صفحہ ج ۳ - ۱۲

خیر جو کچھ کہا ہو، ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ انجام کیا ہوتا ہے، اور وہ خود کیا کرتے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اٹھے اور اٹھکر آپ نے بھی چار ہی رکعتیں ادا کیں (یعنی قصر نہ کیا) لوگوں کو آپ کی اس شوراشوری اور پھر اس لب بستگی پر سخت تعجب ہوا، ایک شخص وہیں بیٹھا ہوا تھا، اس نے فوراً پوچھا۔

"کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ جس فعل پر آپ ابھی ابھی امیر المومنین کی شان میں سخت و سست سنا رہے تھے، کس قدر عجیب ہے کہ کھڑے ہو کر پھر اسی فعل کے خود مرتکب ہوئے[1]"

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں وہ باتیں فرمائیں جو حق نیوشوں کے لئے ایک روشن شمع ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک سلطان ہونے والا ہے، دیکھو! اس کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرنا! جس شخص نے اس کی ذلت کا ارادہ بھی کیا اس نے اسلام کے طوق کو گردن سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اس کی دعا کبھی مقبول نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اس رخنہ کو جو اسلام کی دیوار میں پیدا کر دیا ہے بند نہ کرے، اور وہ اس رخنہ کو کبھی بند نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر پھر اس سلطان کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف رجوع کریگا تو پھر ان لوگوں میں وہ شمار کر لیا جائیگا۔ جو اس کی عزت پہلے سے کرتے[2] تھے

---

[1] طبری ص ۸ ج ۳ ۔ ۱۲ [2] مسند امام احمد ۱۲

اس کے بعد آپؓ نے فرمایا۔
امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یغلبونا علی ثلث ان نامر بالمعروف و تنھی عن المنکر و تعلم الناس السنن۔[1]

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ (خلفا) تین باتوں پر غالب نہ آنے پائیں۔ امر بالمعروف (یعنی اچھی باتوں کی تعلیم دینے سے اور نہی عن المنکر (بری باتوں سے لوگوں کو روکنے سے) اور یہ کہ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز و روش کی تعلیم دینے سے ہمیں نہ روکیں۔

اس واقعہ سے ذیل کے نتائج بآسانی نکل آتے ہیں:-

(۱) حضرت ابوذرؓ نہ صرف دنیاوی معاملات میں حضرت عثمانؓ کی پیروی کو اپنے لئے واجب سمجھتے تھے، بلکہ دینی حیثیت سے بھی حضرت عثمانؓ کی رضا کو امور واجبہ (کہ قصر ان کے نزدیک واجب ہے) پر ترجیح دیتے تھے

(۲) باوجودیکہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ جماعت میں شریک نہ تھے لیکن محض اس خیال سے کہ جب خلیفہ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ تو اب ہم پر بھی اس فعل کا کرنا ضروری ہوگیا، آپ نے تنہائی میں بھی اپنی نمازیں پوری کیں۔

---

[1] مسند امام احمد ۱۲

(۳) آپ نہ صرف دنیاوی عزت بلکہ دینی و اخروی عزت کو حضرت عثمانؓ کی عزت کے ساتھ وابستہ خیال فرماتے تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس واقعہ سے یہ نتائج کیوں نہیں نکل سکتے۔

پس غور کر لینا چاہیئے، کہ جب ایک مقدس بزرگ صحابی بھی اپنی دینی عزت کا مدار حضرت عثمانؓ کی عزت پر سمجھتا ہے تو جو لوگ نہ صحابی ہیں نہ تابعی ان کی نجات و اعزاز کی کیا صورت ہوگی؟ جب کہ وہ اپنی ہر بات میں عثمانؓ پر طعن و شناعت کرنے کو اپنا شیوہ قرار دیے ہوئے ہیں۔

الغرض اس واقعہ کے پیش کرنے سے مجھے حضرت ابوذرؓ کی اطاعت کی ایک تصویر اتارنی تھی اور الحمدللہ کہ وہ پوری اور صاف اتری۔

یہ الگ بحث ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا کیوں کیا؟ فقہ میں اس واقعہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ میرا فرض چوں کہ اس قسم کے مسائل کی تفصیل نہیں، اس لئے میں اس پر مفصل بحث نہیں کر سکتا۔ ہاں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک سفر میں قصر ضروری نہ ہو، جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے کہ "قصر رخصت شرعیہ ہے عزیمت اور اسقاط نہیں ہے" اسے محض رخصت خیال کرتے ہوں، ہو سکتا ہے کہ دیہات کے گنوار موسم حج میں اس سال زیادہ آ گئے ہوں۔ ممکن تھا کہ اگر ظہر کی آپ دو ہی رکعت پڑھتے تو یہ لوگ گھر جا کر بھی دو پڑھنے لگتے، اور سند میں حضرت

عثمانؓ کے فعل کو بیان کردیتے۔ اس مصلحتِ عام کا خیال فرماکر آپ نے اگر شریعت ہی کے ایک قانون سے نفع اٹھایا، تو اس میں کیا حرج ہے[1]

سطحی نظروں میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن جن دلوں میں اجتہادی بصیرتیں ہیں، ان کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی قصر کو واجب سمجھتے تھے۔ اور منیٰ میں اس وقت چونکہ آپؓ نے سفر کے ارادہ کو متبدل بقصر کردیا تھا جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ سفر میں اتمام بھی جائز ہے اس لئے میں نے پڑھی بلکہ آپ کی ہر گفتگو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کو مسافرت سے نکال کر مقیم قرار دینا چاہتے تھے اور اسی کے وجوہ پیش کرتے تھے۔

اس کے بعد پھر اس معاملہ میں کوئی جان باقی نہیں رہتی اور تمام جھگڑے صرف غلط فہمیوں پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ جو اس قسم کے مسئلوں میں عام بات ہے۔

**وفات ۳۲ سنہ ہجری** ہجرت کا بتیسواں سال اپنی ہستی فنا کرتے ہوئے اپنے اخیر مہینے ذی الحجہ میں قدم رکھ چکا ہے عرب وعجم کی بے شمار روحیں عشق الٰہی میں سرشار و مست ہو ہو کر مکہ معظمہ کی

---

[1] حاشیہ میں لکھا بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس مصلحت کو بیان بھی کیا تھا۔

[2] طبری صہ ۱۸ ج ۵۔ مطبوعہ مصر ۱۲۔

وادیوں میں پھیل رہی ہیں۔ عراق کے مسافر ذاتِ عرق کے راستہ سے ربذہ کی پُرفضا منزل سے گزر کر لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک کی دل گداز آوازوں سے ان دبی چنگاریوں کو بھڑکا رہے ہیں جنھوں نے ابوذرؓ کے سینہ کو آتشدان بنا رکھا تھا۔

ربذہ کے سامنے سے جو حاجی مستانہ لباس میں یا برہنہ گزرتا، اگر اور کچھ نہیں کرتا تھا تو کم از کم ابوذرؓ کے دل کو ضرور روند ڈالتا تھا۔

خصوصاً اس سال کہ تمام ممالک محروسہ اسلام میں یہ اعلان عام طور سے شائع ہو گیا تھا کہ اس سال بھی مدینہ کا روحانی وجسمانی سلطان اپنے حقیقی مالک قدوس کے آستانہ پر جبین نیاز جھکانے آئے گا۔ یعنی عام طور پر یہ خبر ملک میں گرم تھی، کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حج میں بھی شریک ہوں گے۔

دور دور کے لوگ بیک کرشمہ دو کار کے اصول کو پیش نظر رکھکر کہ امنڈے چلے آتے تھے کہ حقیقی ومجازی دونوں جمال وجلال کا نظارہ ایک ہی سفر میں ملتا ہے۔ مختلف ملکوں کے صوبہ داروں، والیوں کے نام بھی پروانے جاری کئے گئے تھے، کہ اس سال خدائے واحد کے دربار میں آکر بیت اللہ کے خادم عثمان سے مل جائیں۔

الغرض اس سال کی مختلف خصوصیتوں نے عشق کے بازار کو بہت

زیادہ گرم و تیز کر دیا تھا، اور ظاہر ہے کہ اسی حالت میں ربذہ کے درویش کی آگ بھی جس قدر اشتعال انگیز ہو کر بھبھک رہی ہوگی، اس کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی، نتیجہ یہ ہوا کہ آخر بیماری دل نے کام تمام کیا۔ مدت سے آہستہ آہستہ سُلگنے والی آگ دل و جگر کے ہر ریشہ میں پیوست ہو گئی۔ جو جسم انسانی تھا وہ از فرق تا بقدم انگارہ اور فقط انگارہ ہو کر دہکنے لگا حتیٰ کہ طاقتِ رفتار نے ساتھ چھوڑ دیا۔ قوتوں نے جواب دیا اور وہ جو کہ سامان سفر میں مصروف تھا۔ بسترِ مرض پر یاس و ناکامی کی چند ٹھنڈی آہوں کے بعد اس طرح لیٹ گیا کہ پھر کبھی نہ اٹھا۔

دنیا نے سمجھا کہ کوئی مادی بیماری ہے، لیکن جنہوں نے آپ کے حالات کا مطالعہ ابتدا سے کیا تھا وہ سمجھ گئے کہ جو چرکا مکہ کے کسی چبوترہ پر لگایا گیا تھا وہ اب گہرا ہو کر بیماری کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ حتیٰ کہ ضعف نے آپ کو اس درجہ مجبور کیا کہ باوجود قرب کے سب سے آگے رہنے والا شہباز آج سب سے پیچھے رہ گیا یا رکھ لیا گیا، آپ جس خیمہ میں بیمار ہو کر پڑ گئے تھے اسی کے سامنے سے روزانہ حاجیوں کا قافلہ امنگوں اور ارمانوں کے ساتھ گزرتا۔ اور آپ کے دل پر رہ رہ کر چوٹ پڑتی۔ آرزوؤں کا ولولہ اٹھتا اور تن زار کی کمزوری گراتی ایک عجب کشاکش تھی ہر بن مو سے گویا آواز آ رہی تھی۔

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں ‌‌ ‌ طاقت بقدر لذتِ دیدار بھی نہیں

ضعف کا یہ حال کہ دو قدم چلنا بھی دوبھر تھا اور حسرتوں کی وہ سینہ زوریاں کہ جس طرح بھی ہو ابراہیم کے سر پر چمکنے والی بجلی یا فاران والی فارقلیط کی روح کو منور کرنے والی تجلی ایک دفعہ دل جان پر کوند جاتی، گذر جاتی۔

لیکن جہاں صرف اپنی خواہشوں کی پابندی ہو، وہاں ان باتوں کو کون پوچھتا ہے۔ آہ کہ جس پردۂ جلال کے ناصیہ پر۔

| | |
|---|---|
| اِنّ اللّٰہ غنیّ عن العالمین | اللہ تمام عالم سے مستغنی ہے |

آتشین حروف میں لکھا ہوا ہو، وہاں "میں یہ چاہتا ہوں" کی آواز کون سنتا ہے، ابوذرؓ نے چاہا، لیکن جسے ابوذر چاہتا تھا، اس نے نہ چاہا پھر کیا مجال تھی کہ ربذہ کا بیمار ایک قدم بھی آگے بڑھا سکتا۔

آخر یہی ہوا کہ بیماری و نقاہت نے مجبور کیا۔ حضرت ابوذر رضہ اس پُرشوکت حج میں شریک نہ ہو سکے۔ کیا کرتے تھک کر ربذہ کے خیمہ میں پڑ گئے۔

ربذہ کے باشندے ایک تو یوں ہی تھوڑے تھے اس پر کُل سرکاری آدمی، ان بیچاروں کو کیا علم تھا کہ افقِ غیب میں کیا مستور ہے۔ حضرت عثمانؓ کی آمد کی خبر سُن کر وہاں کے کل آدمی مکۂ معظمہ روانہ ہو گئے۔ ربذہ بالکل خالی ہو گیا، ربذہ نغوس میں وہاں صرف آپ کا ایک

جسم بیمار اور آپ کے اہل وعیال رہ گئے، اور بس۔ ادھر مناسک و زیارت کے دن بھی قریب آچکے تھے کہ مسافروں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ سڑک بھی سنسان پڑی ہوئی تھی۔[۱]

سبحان اللہ کسی کی زبان سے کچھ نکل گیا تھا، فقط اس کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا سامان ہو رہے ہیں۔ ابوذر دمشق سے بلوائے جاتے ہیں۔ مدینہ سے ربذہ بھیجے جاتے ہیں۔ حج کے بہانے سے ربذہ کو خالی کیا جاتا ہے۔ اور آہ کہ وقت بھی وہ رکھا جاتا ہے کہ راہ کار ا ہی اور سڑک کا کوئی مسافر بھی میسر نہ آسکے۔

"ایں ہمہ غوغا برائے نیم جانے می شود"

کہ فعال لما یرید کی قوتوں کو مانو اور اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ!

خیر جب سارا سامان تیار ہو گیا، دیکھ لیا گیا کہ تمام لفظ جو زبان سے ادا ہوئے تھے، ٹھیک پورے ہو چکے ہیں، کہ یکایک اسی ہو کے میدان میں جہاں چند جانوں کے علاوہ دور دور تک شاید کوئی پھڑپھڑانے والا پرندہ بھی موجود نہ تھا، ربذہ کی صوفی خیمہ والی کالی تیماردار عورت (یعنی حضرت ابوذرؓ کی حرم محترمہ نے) ایک چیخ ماری، خدا جانے انہوں نے کیا دیکھا اور کس کو دیکھا۔ مگر فوراً ہچکیوں میں ملی ہوئی نرم آواز میں حضرت

---

[۱] استیعاب ابن عبدالبر ص۸۳ ج۲۔

ابوذرؓ کے بستر سے آواز آئی "تم کو کس نے رلایا؟"
بیوی صاحبہ۔ تمہارا وقت قریب آگیا ہے، اور میں عورت ہوں، اتنی قوت نہیں، کہ اس پتھریلی زمین میں تمہارے لئے...... کھود سکوں گی، اور آہ! کہ گھر میں ایک دھجی بھی نہیں، جس میں تمہیں لپیٹ کر... کر سکوں گی۔
حضرت ابوذرؓ یہ سن کر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ان سامانوں کا جو اصلی منشا تھا، اس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمانے لگے۔

"مت رو، اس لئے نہ رو اصحابؓ کی ایک جماعت کے ساتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، اس وقت آپ نے فرمایا کہ "قطعاً تم لوگوں میں سے ایک شخص ایک چٹیل مسان وادی میں جان دے گا۔ جس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہوگا۔ اور میں اس دن سے اندازہ کر رہا ہوں کہ وہاں پر جتنے لوگ تھے ان میں سب کے سب کسی شہر یا آبادی میں وفات پاچکے اور اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں، جو اس وقت اس وادی بیکسی میں دم توڑ رہا ہوں، بس جا راستہ پر جاکر بیٹھ مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آرہی ہوگی۔ کیونکہ خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے"۔

بیوی صاحبہ:۔ خدا جانے اب لوگ کہاں سے آئیں گے، حاجیوں

کی آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ راستہ بالکل سنسان پڑا ہوا ہے۔

آپؓ نے فرمایا، تم جاؤ تو سہی جاکر دیکھو بھی تو!

سمجھنے والوں کو اب جاکر معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس سے پہلے جو کچھ

ہوا تھا۔ ع سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کے لئے ہو رہا تھا۔ غفار کا بہادر جوان صید گاہِ عشق میں کودا تھا اس

پر جو تیر چلایا گیا تھا آج جاکر نشانہ پر بیٹھتا ہے۔

روتی دھوتی یاس و ناکامی کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ اُٹھیں

اور سڑک کے کنارے آکر بیٹھ گئیں۔ مایوسانہ نگاہیں افق تک پھیل کر

کسی چیز کو انتہائی بے کسی کے ساتھ ڈھونڈھ رہی تھیں اور پھر ناکامیوں

کے ہجوم میں واپس آجاتیں۔ یہ سلسلہ آمد و رفت کا اسی طرح قائم تھا کہ یکایک

مبتدا کے چہرے سے نقاب اٹھا گیا اور اس کی خبر گرد و غبار کی صورت

میں ایک جانب سے آگئی، بیوی صاحبہ کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا

لکھنے کی ضرورت نہیں، سوچنے کی ضرورت ہے۔

پردہ چاک ہوتا ہے اور اندر سے گردنیں اٹھائے اونٹوں کی

ایک قطار انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئی۔ ابن سعد کا بیان ہے

کہ وہ اس طرح اڑے چلے آرہے تھے کہ گویا بھاری پرندوں کی ٹولیاں

زناٹے بھرتی ہوئی آرہی ہیں۔ عربی عماموں والے شتر سوار گردِ و غبار میں

ڈوبے ہوئے اس پر سوار تھے۔ آناً فاناً وہ لوگ بیوی صاحبہ کے سر پر پہنچ گئے، ان لوگوں کی یکایک نگاہ آپ پر پڑی۔ اس عالم تنہائی میں ایک عورت کا اس طرح سے کھڑا رہنا حیرت میں ڈال دینے کے لئے کافی تھا۔ نکیلیں ڈھیلی کر دی گئیں اونٹ روک دیئے گئے۔ جو آگے تھا، اس نے آپ کو مخاطب کرکے پوچھا۔

"بیوی صاحبہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں، آپ پر کیا حادثہ گزرا؟

بیوی صاحبہ: مسلمانو! ایک آدمی بیچارہ مر رہا ہے، خدا کے لئے اس کے دفن کا سامان کر دو!"

اس کے بعد جو جملہ آپ کی زبان سے نکلا، دل کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے، کلیجہ پاش پاش ہوا جاتا ہے، بے نیاز کی بے نیازیوں کا مرقع کچھ اس طرح آنکھوں کے سامنے عریاں ہوتا ہے کہ دل بیٹھا جاتا ہے۔ اللہ اکبر! ابوذر راتوں کو پیشانی گھس گھس کر صبح کر دینے والا ابوذر، آہ! کہ وہی ابوذر جس نے عشق و سرمستی میں اپنی عمر کاٹ دی۔ توحید و سنت کی اشاعت میں دربدر پھرنے والا ابوذر، محض آسمانی محبوب کی رضا جوئی میں دولت و امارت سے کنارہ کش ہونے والا ابوذر، صرف اسی کی پوجا کے لئے آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلی پکھیرو کی طرح زندگی گزارنے والا ابوذر! آہ کہ وہی ابوذر! آج ایک جنگل میں جان دے رہا ہے اور اس طرح دے

رہا ہے کہ ان کی بیوی اللہ اللہ! مسافروں کے سامنے اس لئے کھڑی
ہیں، کہ ان کے کفن کے لئے بھیک مانگیں۔

غنیٔ مطلق کی استغنائے مطلق کی یہ کارفرمائیاں ہیں اس روحانی
بادشاہ کی بیوی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں اور مقربوں اور صدیقوں
کا زہرہ آب ہوا جاتا ہے۔

"اس بیچارے مسلمان کے پاس کفن نہیں ہے۔ خدارا ان کے
کفن کا بھی سامان کرو۔ خدا کے یہاں اجر پاؤ گے"

شتر سوار نے پوچھا کہ وہ کون آدمی ہے ؟ آواز آئی۔

"ابوذر صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم"

یہ سن کر ہوش اُڑ گئے۔ حواس خبط ہو گئے، کہرام مچ گیا، سننے والوں نے
شور برپا کردیا، غل تھا کہ

"وہ! ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں، وہ ان پر ہمارے
ماں باپ قربان ہوں"

اونٹوں کی پیٹھیں خالی ہوگئیں، کوڑے ان کی گردنوں میں لٹکا کر چیختے ہوئے
گریاں و نالاں، افتاں و خیزاں مریض کے خیمہ کی طرف دوڑ پڑے [1]

حضرت ابوذرؓ نے بیوی صاحبہ کو ادھر بھیج کر اپنی بچی کو پکارا، اور فرمایا۔

---

[1] یہاں تک کہ واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ مسند احمد وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔

"بیٹی! ایک بکری ذبح کرلو اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر
چڑھا دو گھر میں مہمان آرہے ہیں، جب وہ مجھے دفن کرلیں تو
تم ان سے کہنا کہ ابوذر نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ
جب تک نہ کھالیں اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں[1]"

اس کے بعد فرمایا کہ مہمانوں کی ایک جماعت آنیوالی ہے جو کھاتی پیتی نہیں لیکن خوشبو سونگھتی ہے، ایک نافہ مشک کا پڑا ہوا ہے، اسی کو گھس کر پانی میں ملاؤ۔ اور تمام خیمہ پر اُسے چھڑک دو۔ عنقریب وہ آنے والے ہیں[2]

روح جسم کو چھوڑ رہی ہے سکرات کی حالتیں طاری ہیں، لیکن اس وقت بھی جو خیال عملی صورت اختیار کر رہا ہے، وہ وہی ہے جو میں لکھ چکا ہوں کہ علم عمل پر منطبق ہو جائے۔

خلیل ابوذر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتایا تھا کہ، مہمانوں کا اکرام کیا کرو؛ پس گو جان نکل رہی ہے لیکن جو قول اس میں منجذب ہو گیا تھا اس پر عمل کرنا بھی ضرور ہے۔

خیر یہاں تو یہ سامان ہو رہے ہیں، اتنے میں آہ و بکا کی غوغا میں شتر سواروں کی جماعت خیمہ کے اندر آگئے، مسلمانوں کی اس جماعت کو دیکھکر جاں بلب ابوذر رضہ کے بدن نے گویا ایک جھرجھری سی لی، یکایک حجۃ الوداع کی

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ ص۲۸۱ مطبوعہ مصر ۱۲ [2] کامل ابن اثیر ص۱۵۱ ۱۲

آخری وصیت نبویہ صلی اللہ علیٰ صاحبہا۔

| | |
|---|---|
| الا فلیبلغ الشاھد الغائب۔ | دیکھو جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر لوگوں کو میرا قول پہنچائے۔ |

موت کی تمام سختیوں پر غالب آگئی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر فرمانے لگے

"تمہیں خوش خبری ہو، تم لوگوں کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک مژدہ سُنا گئے ہیں (یعنی فرمایا تھا) کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے کفن و دفن میں شریک ہوگی"

حضور صلی اللہ علیہ آلہ واصحابہ وسلم کی یہ تصدیق کہ فلاں شخص مسلمان ہے یا فلاں جماعت مسلمانوں کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ جاں بخش گرانمایہ مژدہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد حضرت ابوذر رضہ نے فرمایا

"ایک اور مژدہ سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جن دو مسلمانوں کے درمیان دو بچے مرگئے ہوں یا تین بچے مرگئے ہوں اور ان کی موت پر انھوں نے صبر سے کام لیا ہو، اور صبر پر ثواب کی امید لگائی ہو تو یہ دونوں ہمیشہ کے لئے آگ کے شعلوں سے جدا ہو گئے"

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذر رضہ نے جو یہ حدیث بیان کی عموماً اس کا برانگیختہ کرنے والا تبلیغ کا جذبہ دیرینہ تھا۔ تاہم یہ بات البتہ قابل غور ہے

کہ آپ نے خاص کر اسی روایت کو یہاں پر کیوں بیان کیا۔ میں اس کا قطعی جواب تو نہیں دے سکتا، پھر بھی قرائن و قیاسات کا مقتضیٰ ہے کہ آپ کو یہ بھی جتانا منظور تھا کہ دیکھو ابوذر اس دنیا سے جاتا ہے مگر اپنے اعمال و افعال پر بھروسہ کر کے نہیں جاتا، اپنی صدقات و خیرات پر اعتماد کرتے ہوئے، اپنی جان جان آفریں کے سپرد نہیں کرتا۔ ان چیزوں میں سے اس کو کسی پر غرّہ نہیں، کسی پر بھروسہ نہیں۔

ہاں، صرف ایک آس ہے کہ اس کے چند بچے مر چکے ہیں، ارحم الراحمین شاید اسی کو بخشائش و مغفرت کا ذریعہ بنا دیں۔ فقط ایک یہی چیز ہے کہ جو ممکن ہے کہ رحمت ایزدی کو اس کی طرف متوجہ کر سکے اور اسی وقت پر کیا موقوف ہے، بسا اوقات لوگوں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے بھی سُنا

واللّٰہ لودّدتُ انّ اللّٰہ عزوجل خلقنی یوم خلقنی شجرۃ تعضد وتوکل ثمرھا۔

خدا کی قسم میرے دل کی یہ آرزو ہے کہ کاش! حق تعالیٰ نے جس دن مجھے پیدا کیا (بجائے آدمی کے) اگر میں ایسا درخت بن کر پیدا ہوتا کہ جو کاٹ دیا جاتا ہے (اور جب تک کٹتا نہیں) لوگ اس کے پھل کھاتے

---

اور یہ تو ایک صوفیانہ نکتہ ہے کہ موت سے پہلے جس قدر خشیت و خوف خدا اپنے دل پر غالب کر سکتے ہو کرتے رہو، پر جب موت کی گھڑیاں سر پر آجائیں، اس

وقت بیم و دہشت کو سینے سے باہر نکال کر صرف امید نجات و فوز رحمت و غفران سے دل کو لبریز کر لو، شیخ المجاذبہ اس وقت اسی شغل میں مصروف ہیں۔

اس کے بعد آپ کے دل سے ایک شورش انگیز، روح فرسا، حوصلہ گسل آواز اٹھی، اور بصد حسرت و یاس اٹھی، صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"اے کاش! کہ میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے کہ میں اسی میں سما کر اسے کفن بنا لیتا.... تو پھر میں اس کے علاوہ اور کسی کفن کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

مگر...... (یعنی جو خدا کی مرضی یہی ہے کہ اپنے کفن میں لپیٹا نہ جاؤں۔ اور آپ لوگ اپنا کفن دیں) اب آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں، خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جو شخص بھی کفن دے وہ نہ تو کسی صوبہ کا والی ہو نہ عریف[۱] ہو اور نہ ڈاکیہ ہو۔"

اتفاق تو دیکھو کہ اس جماعت میں جتنے آدمی تھے، قریب قریب ہر ایک ان عہدوں میں سے کسی ایک پر ممتاز تھا۔ صرف ایک انصاری جوان البتہ ایسا تھا جس میں یہ باتیں نہیں تھیں، وہی بول اٹھا کہ مجھ میں آپ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور میرے تھیلے میں دو چادریں بھی نئی رکھی

---

[۱] عریف ایک جماعت کے اس نمایندے کو کہتے ہیں جو حکومت کے سامنے جماعت کا ذمہ دار

ہوئی ہیں۔ جن کے سوت میری ماں کے ہاتھ نے کاتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان چادروں کو میری ماں نے بُنا ہے۔ اور ایک چادر یہ ہے جو میرے بدن پر پڑی ہوئی ہے، ملا کر تین کپڑے ہو جاتے ہیں، جو کفن کے لیئے کافی و وافی ہے۔

حضرت ابوذر رضؓ نے یہ سُن کر فرمایا۔

"ہاں تو تم میرے حسب منشاء ہو۔ بس انہیں کپڑوں میں مجھے کفنانا۔"

اس گفتگو کے بعد اور کیا کیا باتیں ہوئیں، مورخین ان سے ساکت ہیں ہاں طبقات ہی میں ایک اور روایت موجود ہے جو بظاہر ملکہ یقیناً اس روایت کے مخالف ہے، حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کے تضاد پر تنبیہ بھی کی ہے اور بغیر کسی جواب کے آگے نکل گئے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک راویوں سے اس میں چوک ہوئی ہے۔ اقرب الی الصحت اس کی ترتیب یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ۔

"مجھے ہنلا دھلا کر کفن پہنا کر سڑک پر جا کر ڈال دینا اور دیکھتے رہنا سب سے پہلے سواروں کی جو جماعت گزرے ان کو ٹھہرا کر کہنا، کہ یہ ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تم لوگ ان کے دفن میں میری مدد کرو۔"

## ۸ ذی الحجہ ۳۲ سنہ ہجری

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ خدا کی ہر چیز خدا ہی کی طرف جانیوالی ہے۔ آخر وہ وقت عظیم آگیا، آسمانوں سے فرشتے اتر پڑے اور اس خستہ و نزار سوختہ و بریاں جان کو جس نے خدا جانے اس عنصری دَور میں نشیب و فراز عالم کے کتنے حوادث دیکھے اور خود اس قفسِ خاکی میں بند ہو کر کیا کیا گیا تھا۔

اسی کو لینے کے لئے دنیاوی مخمصوں سے نجات دینے کے لئے قدوسیوں کی جھرمٹ میں موت کا فرشتہ مشک بیز خیمہ میں اپنے میزبان کے پاس پہنچ گیا۔

حجابات اُٹھنے لگے، اَن دیکھی چیزیں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی نظر آنے لگیں۔ ابوذرؓ نے ڈوبتی ہوئی آواز میں دنیا والوں کو اس آخری لفظ سے مخاطب فرمایا "قبلہ کی طرف میرا رُخ کردو!"

اس آخری حکم کی آخری تعمیل کردی گئی۔ اس کے بعد خلوص و سچائی کے اندر ڈوبے ہوئے الفاظ فضائے خیمہ میں اس طرح گونجے "بِسْمِ اللّٰہِ وباللّٰہ وعلیٰ ملۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم"۔ انہیں پاک آوازوں کے ساتھ خاک آب و آتش و باد کے کُرے ایک تاباں روشنی اور مقدس تعلق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ سراج منیر محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے انوار سے چمکنے والا ماہتاب ٹھیک آٹھ ذی الحجہ کو ربذہ کے حوالے

---

۱؎ کامل ابن اثیر ص ۱۲ ج ۳ - ۱۲

افق میں غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
نفس مطمئنہ "فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ" کی صدائے روح پرور
زمین سے اکھڑی اور جہاں بلائی گئی پہنچ گئی جس نے اپنے کو خدا کے لئے
بنا دیا تھا وہ نہایت امانت کے ساتھ پیمانِ وفا کو پورا کرتے ہوئے جلال و
جمال کی مستور کششوں میں غرق ہو کر جس کے لئے تھا اسی کے پاس چلا گیا۔
وما کان قیس هلکه هلك واحدٍ ولٰکنه بنیان قوم تهدما۔
مجذوبوں کا سردار رئیس الطائفہ فقیری کی ایک جدید یادگار چھوڑ
کر دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

**جنازہ** آنکھیں بند کی گئیں، انگوٹھے باندھے گئے، غسل دینے
والوں نے نہلایا۔ انصاری نوجوان نے کپڑے نکال دیئے
اور اس جسم کو جس نے اسلام کے بعد خدا کی مرضی میں اپنی خواہشوں کو
جذب کر دیا تھا ایک غیر کے کپڑے میں کفنایا گیا حسب وصیت آپ کا
جنازہ اٹھایا گیا اور عام گزرگاہ پر لا کر رکھ دیا گیا۔

ادھر کوفہ سے استاد المسلمین، معلم الامت، فقیہ الاسلام حضرت
ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے مع ایک جماعت
کے مکہ مکرمہ کے ارادے سے تشریف لا رہے تھے۔

آپ کو اس المناک سانحہ کا علم تھا یا نہیں، مجھے کیا معلوم۔ تاہم ظاہر

حال یہ تھا، کہ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اپنے اونٹ کو بھگاتے ہوئے لا رہے تھے قریب تھا کہ جس کا جنازہ بے کسی کے ساتھ راستہ پر پڑا ہوا تھا وہ سواری کے نیچے آجائے۔ لیکن یکایک آپ ٹھٹھک گئے۔

جنازہ کو اس طرح پڑا ہوا دیکھ کر اپنے اونٹ کو روک لیا، اور اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھہرا لیا۔ لوگ سڑک کے نیچے آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے، ان لوگوں کو دیکھ کر سامنے آگئے۔ اور کہا

"ابوذر صاحبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے دفن میں ہم لوگوں کی مدد کیجئے۔"

ایک زبردست دھکا تھا، جس نے اچانک ابنِ مسعودؓ کی روح میں زلزلہ ڈال دیا۔ ابن اثیر کی روایت ہے کہ سنتے ہی آپ نے ایک چیخ ماری اور مجنونانہ اپنے اونٹ سے اتر پڑے، روتے جاتے تھے اور حالت وارفتگی میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔ "میرے دوست، میرے بھائی" اخیر میں فرماتے۔

"مبارک ہو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر اکیلا ہی چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھے گا۔"

حتیٰ کہ کم از کم مرنے والا اگر اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا تو اپنے گھر کا کفن یقیناً لے جاتا ہے، لیکن ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی

کا یہ عالم ہے کہ کفن بھی اس کے ساتھ اپنا نہ تھا۔ لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے نماز کی درخواست کی، جنازہ آگے رکھا گیا۔ اس وقت کا نظارہ کتنا عظیم الشان اور دل ہلا دینے والا نظارہ ہوگا۔ سامنے اس کا جنازہ رکھا ہوا ہے جو اپنے محبوب سے اسی طرح ملنے جا رہا ہے، جس طرح اسے چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے تھے۔

جنازہ کا امام وہ شخص ہے جس کی مرضی دنیا کے سب سے بڑے آدمی کی مرضی قرار دی گئی۔ اور جن کے عہد و علوم پر اعتماد کرنے کی وصیت خدا کے آخری پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو فرمائی[1]

اور صفوں میں مبشرین کی وہ جماعت ہے، جن کے اسلام کی تصدیق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی۔ اور جن کا بیشتر حصہ ان لوگوں پر شامل تھا جن کے ملک سے عرب کے بنی ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی خوشبو آئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ پہلا گروہ کل یمانیوں پر مشتمل تھا۔ ابن اثیر نے دونوں گروہوں کے آدمیوں کے ناموں کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ میں بھی ان کی تفصیل اسی سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ اسودؓ بن یزیدؓ۔ علقمہ بن قیس نخعی۔ مالکؓ بن الاشتر

---

[1] بخاری وحدیث کی دوسری کتابوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب مذکور ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب "تدوین فقہ"۱۲

نخعیؒ۔ علحال ضبتیؒ۔ حارث بن سوید تمیمیؒ۔ عمر بن عتبہ السلمیؒ۔ ابن ربیعہ سلمیؒ
ابو الفرز تمیمیؒ۔ ابو رافع مزنیؒ۔ سوید بن شعبہ تمیمیؒ۔ یزید بن معاویہ تمیمیؒ۔
اخا القرثع الضبیؒ۔ اخو معضد الشیبانیؒ۔

الغرض میدان میں بصد بیکسی جو دم توڑ رہا تھا محض اس کی خاطر بھی یہ کوفہ کی زمین ہلائی جاتی ہے اور فقیہ الاسلام معلم الامۃ کو زبردستی کھینچ کر جنازہ پر لا کر کھڑا کیا جاتا ہے تاکہ جاننے والے جانیں کہ جو خدا کے لئے مرتا ہے خدا اس کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا۔

مجھے بار بار حیرت ہوتی ہے کہ حج کا موسم جب ختم ہو رہا ہے اَیّامِ حج بھی گزر رہے ہیں، ایسے وقت میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکہ آنا ایک محض بے موقعہ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کو اگر آنا تھا تو پھر خواہ مخواہ چند دنوں کے لئے انھوں نے حج کو کیوں چھوڑا، میں اس معمہ کو بالکل نہیں سمجھ سکا۔ پھر اس پر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

---

لہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے عام طور پر لوگوں کی تمنا ہوتی ہے کہ میرے جنازہ کی نماز کوئی عالم دین پڑھاتا لیکن قدرت نے حضرت ابو ذر کے لئے اسی آرزو کو عجیب طرح سے پورا کیا کہ اسلامی دینیات کی سب سے زیادہ معتبر ترین شکل یعنی حنفیت جس صحابی اور تابعیوں کے ذریعہ سے امت تک پہنچی ہے اسی فقہ کے تینوں امام یعنی عبد اللہ بن مسعود علقمہ اور اسود سب اس میں شریک ہیں ان بزرگوں کے صحیح مقام اگر جاننا چاہتے ہو تو میری کتاب تدوین فقہ دیکھیے

یہ فرمانا کہ "دیکھتے رہنا کوئی آتا ہوگا" عجیب اسرار ہیں جو علت و معلول کے سلسلہ میں کسی طرح درج نہیں ہوتے۔ رہ رہ کر میری زبان پر یہ مصرعہ جاری ہوجاتا ہے، کہ

اے زائرِ حرم غرض زیں طواف ما نہ چیست

نماز کے بعد جنازہ اٹھا، کن کاندھوں پر اٹھا، اور کس کا اٹھا چشم بصیرت دیکھے اور رشک و غبطہ کی موجیں دلوں سے اچھل اچھل کر نجات کی راہیں ڈھونڈھنے والوں کو تڑپائیں۔

سب سے پہلی منزل کے دہانہ پر غفار کے سب سے بڑے انسان کو لایا گیا۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور لوگوں کے ساتھ قبر میں اترے، اتر کر اس سرچشمہ صدق و امانت کو جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان پر آسمان نے کبھی سایہ نہیں ڈالا تھا۔ اور نہ جس سے زیادہ صدیق و راست باز لہجہ کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی اٹھایا تھا۔ ربذہ کی ایک کنج عافیت اور شکم زمین میں ہمیشہ کے لئے مستور و مخفی کر دیا گیا اور وہیں آج تک موجود و موضوع ہی، عام زیارت گاہ ہی۔ بس جو تنہا ہی چلتا تھا تنہا ہی رہتا تھا۔ وہ تنہا ہی عرصہ بلاد آزمائش سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا، اور ربذہ کے صحرا میں تنہا ہی سویا ہوا ہے، تا ایں کہ جب اٹھنے کا دن آئے تو وہ اس دن بھی تنہا ہی اٹھے!

حقیقی جذب وسرمستی کا چراغ گو اس کے بعد گل ہو گیا، لیکن اس کے بعد بھی جہاں کہیں اس کی کچھ روشنی پائی گئی یا اس وقت بھی پائی جاتی ہے وہ اسی کے فیض ریز شعاعوں کا نتیجہ ہے اور آئندہ عیسوی زہد وورع کے ہدی محمدی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ کے ساتھ جہاں کہیں بھی جمع ہوئے وہ اسی اجتماع کا اثر جاری ہے۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الذین اتبعوا باحسان۔

## حضرت ابن مسعودؓ کی روانگی اور آپ کے اہل وعیال کا انتظام

الغرض قضا وقدر نے جو کچھ چاہا وہ ہوا دفن کرنے کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے رفقا کے ساتھ باچشم تر آپ کے خیمہ میں آئے۔

بیوی صاحبہ اور آپ کی یتیم صاحبزادی صاحبہ وہاں موجود تھیں، آپؓ نے تسلی وتشفی کے کلمات ان کو کہے، خود بھی سنبھلے ان کو بھی سنبھالا جب گونہ سکون پیدا ہو گیا تو چلنے کے ارادے سے اُٹھے۔

حضرت ابوذرؓ کی صاحبزادی صاحبہ نے پوچھا، کہ کہاں تشریف لے چلے، ابّا نے وصیت کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھا نہ لیں، سوار نہ ہوں، انھوں نے اپنی زندگی میں بکری ذبح کرا کے پکنے کا حکم دے دیا تھا، جو پک کر رکھی ہوئی ہے۔

یہ فرماکر کھانا پیش کر دیا۔ کھایا تو کیا جاتا، لیکن مرنے والے کے اس خلوص کو دیکھکر عبداللہ بن مسعودؓ دنگ ہو گئے" اور ہونا چاہیئے تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اسوقت بھی عمل کیا۔ جب دنیا میں وہ اپنی آخری سانس پوری کر رہے تھے، تاکہ یہ دعویٰ کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ملوں گا جسطرح آپ نے مجھ کو چھوڑا ہے" عملی طور پر مدلل ہو جائے۔

الغرض جو کچھ کھایا جا سکا کھانے والوں نے کھایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کیا؟ طبری نے اس کے متعلق دو روایتیں درج کی ہیں، ایک میں یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ کے تمام اہل و عیال کو ساتھ لے لیا۔ اور مکہ معظمہ میں جاکر حضرت عثمانؓ کے حوالے کر دیا

دوسری روایت یہ ہے کہ نہیں ان لوگوں کو تسلی دلاسا دیکر آپؓ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس جانکاہ حادثہ کی خبر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت صدمہ ہوا۔ اور بجائے اصلی راستہ کے آپ مدینہ ربذہ کی طرف سے لوٹے راستہ میں ربذہ میں اُترے اور تعزیت وغیرہ کرکے سب کو اپنے ساتھ لیکر مدینہ منورہ آئے۔

الغرض خواہ یہ ہو، یا وہ ہو اس پر دونوں روایتیں متفق ہیں کہ

ضمّہ عثمانُ الیٰ اھلہ — حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذرؓ کے بال بچوں کو اپنے بال بچوں کے ساتھ ملا لیا۔

---

فجزاہ اللہ عنی وعن المسلمین خیرا الجزاء پھر دنیا نے ختم نبوت کے فیض صحبت کے آثار کو سرشاری و ہشیاری، بے کاری و باکاری، خواب و بیداری، نیستی و ہستی کی اس عجیب و غریب ترکیبی وجود کو کبھی نہیں دیکھا؟

حیدر کرار (کرم اللہ وجہہ) امام فن نحو حضرت ابوالاسودؒ دؤلی نے سچ فرمایا تھا۔

زُرتُ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما رایت لابی ذر شبیھا۔ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو میں نے دیکھا، لیکن ابوذر جیسا تو کسی کو نہ دیکھا۔

(مسند احمد ص۱۸۱)

---

## رومانی، اصلاحی و تاریخی ناول

| ناول | قیمت | ناول | قیمت | نفسیات، ادب / فلسفہ، تنقید | قیمت |
|---|---|---|---|---|---|
| غمِ آرزو | ۶/- | رقیب | ۶/- | سوچئے اور دولت کمائیے | ۵/۵۰ |
| ستمگر | ۶/۵۰ | مسیحا | ۶/۵۰ | آپ بھی خوش رہیئے | ۵/- |
| سیما | ۴/۵۰ | بیدردی | ۶/- | نوجوانوں کی نفسیات | ۳/۷۵ |
| طوفان | ۴/- | غلط فہمی | ۶/- | کامیاب جنسی زندگی | ۳/۷۵ |
| چاندنی | ۴/- | بیگانہ | ۶/- | شعور و لاشعور | ۴/- |
| ہچکولے | ۴/۲۵ | تیرے بغیر | ۶/- | قوتِ ارادی | ۳/- |
| فاتح خیبر | ۶/۵۰ | انوری | ۵/- | فکرِ فرنگ | ۲/۵۰ |
| طارق | ۵/۷۵ | داغ تمنا | ۶/۷۵ | فلسفیوں کے خواب | ۲/۵۰ |
| حجاج بن یوسف | ۵/۷۵ | خطا | ۴/- | فلسفۂ امن | ۲/۵۰ |
| مروان | ۶/۷۵ | سزا | ۳/۷۵ | نثر ریاض خیرآبادی | ۲/۵۰ |
| ایوبی غازی صلاح الدین | ۶/- | دھوپ | ۴/- | زہریلے آنسو | ۲/۶۲ |
| مامون الرشید | ۶/- | عداوت ہی سہی | ۴/۲۵ | | |
| خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر | ۵/۵۰ | بے غیرت | ۳/۷۵ | فلسفۂ عجم۔ علامہ اقبال | ۴/- |
| مرگِ یزید | ۵/۷۵ | اندھیر | ۳/- | الدین القیم۔ مناظر احسن گیلانی | ۴/- |
| دامِ خیال | ۳/۲۵ | تیر نیم کش | ۴/- | حضرت ابوذر غفاریؓ | ۴/- |
| بدگمانی | ۶/۷۵ | فردوس | ۶/۷۵ | اسلامی معاشیات | ۱۲/- |

# ہماری کتابیں